"رانیہ..... آپ رانیہ کی بات کر رہی ہیں امی؟" اس کی ناگواری پر بے یقینی اس قدر غالب تھی کہ وہ اپنی آواز کو نیچا نہیں رکھ پایا تھا۔ جواباً وہ بہت اطمینان سے گویا ہوئیں۔

"میں نے تو ہمیشہ ہی سے تمہارے لیے رانیہ کو ساتھ لے آئی تھیں۔ خالو جان کی وفات کے سال بھر بعد ہی خالہ بھی رخصت ہوگئیں تو رانیہ سکندر خدا کے بعد اب امی کے ہی سہارے تھی۔ مگر ان کی اس خواہش نے تو عیسیٰ رضا کو سر سے پاؤں تک جھنجھنا دیا تھا۔

"میرے خیال میں آپ مذاق کر رہی ہیں۔" وہ

تیرے ہمراہ چلنا ہے

عفت سحر طاہر

تم سے طلب صلہ کیا، تم سے کوئی گلہ کیا
دیدۂ تر کا ذکر کیا، یونہی چھلک گیا کہیں
وہ جو سبک خرام تھے منزل عشق پا گئے
راہِ وفا کے بیچوں بیچ کوئی اٹک گیا کہیں

سوچا ہے اب تو اللہ کے فضل سے تمہیں اتنی اچھی نوکری مل گئی ہے۔ گاڑی بھی لے چکے ہو، میں تو بس اسی لیے چپ تھی کہ پہلے تم اس قابل ہو جاؤ تو میں رانیہ کے لیے ہامی بھروں۔" ان کی بات سن کر وہ ایک بار پھر تلملا اٹھا تھا۔

"بہت خوب، یعنی میں اس کے قابل نہیں تھا؟" یہ تلملاہٹ یونہی نہیں تھی۔ اسے حقیقتاً امی کی بات بہت بری لگی تھی۔ کیا تھی وہ رانیہ سکندر..... اس کی غریب سی خالہ زاد! اتنی عام سی لڑکی کہ عیسیٰ رضا نے کبھی اس کے ہونے پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ پہلے مشکل پڑھائی اور اس کے بعد کے پانچ سال خود کو اسٹیبلش کرنے کی تگ و دو کے دوران اسے کبھی اکلوتی خالہ کا احوال معلوم کرنے کی بھی فرصت نہیں ملی تھی۔ چہ جائیکہ رانیہ سکندر! تنگ گلیوں اور تنگ مکان میں پلنے بڑھنے والی لڑکی جسے آج سے چار ماہ پہلے امی اپنے

اپنے بارے میں بے حد پُر اعتماد تھا۔ خوش شکل اور خوش لباس تو وہ ہمیشہ ہی سے تھا مگر گزشتہ دو سالوں میں بہترین نوکری اور مراعات نے اس کی وجاہت اور شخصیت کو مزید دو آتشہ بخشا تھا۔ دولت کی فراوانی تو اچھے اچھوں کو مسائل سے بے فکر کر دیا کرتی ہے سو اس بے فکرے پن نے عیسیٰ رضا کی شخصیت میں ایک متاثر کن سی دلکشی پیدا کر دی تھی۔

"کیا رانیہ سکندر اس قابل ہے کہ مجھ جیسے بندے پر حکمرانی کر سکے.....؟" وہ بے حد تنفر سے سوچ رہا تھا۔

"اس کی ماں ہوتی تو وہ بھی یہی دیکھتی کہ لڑکا رانیہ کے قابل ہے یا نہیں اب تو تم بھی سیٹ ہو چکے ہو۔ کم از کم میں اپنی طرف سے تو کوئی کمی نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اب دیکھنا میری مرحومہ بہن کی روح کتنی خوش ہوگی۔" امی کی سادگی قابلِ دید تھی اور اگر وہ عیسیٰ رضا

کے خیالات سے آگاہ ہو جاتیں تو.....!

"بہت خوب!" اس نے بمشکل خود کو صدمے کی گرفت سے نکالا تھا۔

"یعنی کہ وہ لڑکی ہر دور میں مجھ جیسے لڑکے کے قابل تھی۔ بس مجھے ہی اس کے قابل بننے کی ضرورت تھی؟" اس کے لب و لہجے کی تلخی بھانپے بغیر وہ مسکرا کر بولیں۔

"کس بات کی کمی ہے میری رانیہ میں وہ تو شروع ہی سے میری من پسند رہی ہے۔"

"معاف کیجیے گا والدہ صاحبہ! میرے خیالات آپ سے قطعی مختلف ہیں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بے حد رکھائی سے بولا تو وہ نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔ قدرے توقف کے بعد وہ آرام سے بولا۔

"آپ کے اس فیصلے سے شاید آپ کی مرحومہ بہن کی روح تو خوش ہو جائے مگر مجھے قطعی کوئی خوشی نہیں ہوگی۔ میرے خواب و خیال میں بھی رانیہ سکندر جیسی لڑکی کا گزر نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ میرے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے۔ میں جس حلقے میں اٹھتا بیٹھتا ہوں اتنی دبی دبائی سی لڑکی وہاں میرے ساتھ چل ہی نہیں سکتی۔ آئی ایم سوری!" امی کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔ مگر وہ اپنی زندگی کو کسی طور ان کی جذباتیت کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتا تھا۔ سو ہر مسئلے ہر فیصلے میں انہیں اولیت دینے والا اپنی زندگی کے اس اہم ترین فیصلے کے وقت پہلو تہی کر گیا بہت ہی خود غرضی کے ساتھ۔ وہ شدید صدمے کا شکار ہو گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو عیسیٰ.....!"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں امی! اور سنجیدہ بھی ہوں وہ جس ماحول کی پروردہ ہے اس کے پیش نظر تو.....!"

اس نے بڑی ہمدردی سے مشورہ دینے کی کوشش کی تو وہ چلبلا کر اس کی بات کاٹ گئیں۔

"ماحول! ماحول فقط دو برس ہوئے ہیں انہیں چار کمروں کے مکان سے اٹھ کر اس شاندار گھر میں آئے اور تمہیں ہر بات میں ہر قدم پر اس کا ماحول دکھائی دینے لگا ہے؟ مت بھولو کہ تم نے بھی اسی ماحول میں انہیں مسائل کے درمیان پرورش پائی ہے۔ جن میں کہ رانیہ نے.....!" ان کے غصے میں آ جانے پر وہ جز بز سا ہو گیا۔ مگر ہار نہیں مانی تھی۔

"وہ گزرے کل کی بات تھی۔ ترقی کرنے والوں اور آگے بڑھنے والوں کے لیے ان کا آج اہمیت کا حامل ہوا کرتا تھا۔" "اور معاف کیجیے گا امی جان! وہ کل کے دور کی لڑکی ہے۔ گزرے ہوئے کل کی۔"

"شاباش ہے تم پر عیسیٰ.....!" امی تڑپ اٹھی تھیں۔ "تو بیٹا پھر ڈال دو اس کے ساتھ ساتھ ماں کو بھی کچرے کے ڈبے میں یہ بھی گزرے ہوئے کل کی بڑھیا ہے اسے بھی اپنے پرانے رشتے عزیز ہیں۔"

"امی پلیز!" وہ زچ ہو گیا تھا۔

"دنیا میں رانیہ سکندر کے لیے رشتے ختم تو نہیں ہو گئے ہیں۔ میں خود اس کے لیے بہترین.....!" اس نے کہنا چاہا مگر وہ غصے سے اس کی بات کاٹ گئیں۔

"بس..... بس کرو عیسیٰ!" وہ چپ سا ہو کر انہیں دیکھنے لگا ان کی آواز کافی اونچی تھی۔

"وہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے اس کا بھلا برا سوچنے کو میں موجود ہوں۔ اس کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں یہ میں تم سے اچھی طرح جانتی ہوں۔" ان کی خفگی ان کی ناراضگی عیسیٰ کے لیے بھی تکلیف دہ تھی مگر دوسری صورت میں رانیہ سکندر کو تاعمر ان چاہی حیثیت میں خود سے منسلک پانا بھی تو ناممکن امر تھا۔ پھر بھی اس نے ان کی ناراضگی دور کرنے کی مقدور بھر کوشش کی تھی۔

"بات کو سمجھنے کی کوشش کریں امی! جب دلی رضا مندی ہی شامل نہ ہو تو پھر ایسے رشتوں کو خواہ مخواہ

جوڑنے سے کیا حاصل؟"

"صحیح کہہ رہے ہو میرے بچے اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اولاد ماں باپ کو سمجھانے لگی ہے۔" وہ آبدیدہ ہونے لگیں۔ تو وہ بھی بے چین ہوا تھا۔ ابو کی وفات کے بعد شعوری اور لاشعوری طور پر وہ انہیں ہر وقت خوش اور ٹینشن فری رکھنے کی کوشش کرتا آیا تھا۔ مگر یہ کیسی فیصلہ کن گھڑی تھی کہ فقط ایک دل کا سکون ممکن تھا۔

"آپ خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہیں امی!"

"جذباتی تو تم ہو رہے ہو عیسیٰ! دو منٹ بھی نہیں سوچا تم نے ذرا تسلی سے غور تو کرتے اس مسئلے پر اس بچی کی ابھی کوئی اہمیت نہیں ہے تمہاری نظروں میں کہ تم کچھ دیر کو اس بات پر سوچنے کی مہلت ہی مانگ لیتے؟" وہ بہت دکھی لہجے میں بولیں تو وہ جھنجلا سا گیا مگر بظاہر بہت لجاجت سے بولا۔

"میں کیا کروں امی! دوغلا پن مجھ سے نہیں ہوتا۔ جو دل میں تھا آپ سے صاف کہہ دیا۔ اب کیا اس کی سزا دیں گی مجھے؟ میں نے کبھی رانیہ کو اس لحاظ سے سوچا ہی نہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"تو اب سوچ لو میں کون سا ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی سوچ رہی ہوں۔ آرام سے خوب غور کر کے جواب دینا۔" اس کے نرم لہجے سے ڈھیل پا کر وہ پھر سے کھل اٹھی تھیں۔ وہ اندر ہی اندر کراہ کر رہ گیا۔ یہ محبتیں بسا اوقات کس مشکل میں ڈال دیتی ہیں۔

اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اب وہ امی کے دوبارہ جواب پوچھنے تک اس بارے میں کوئی بات نہیں کرے گا اور انہوں نے جب بھی اس کا جواب پوچھا وہ "نا" ہی ہوگا۔ اس ارادے نے اس کے دل کو خاصی تقویت دی تھی۔

"اور پھر موسیٰ..... موسیٰ بھی تو ہے۔" اس کے ذہن میں یکلخت ہی جھماکا سا ہوا تھا۔ خود سے دو سال چھوٹے بھائی کا خیال تو اسے اب تک آیا ہی نہیں تھا۔

"بہت خوب.....! اب اگلی بار میں امی کے سامنے موسیٰ کا نام رکھوں گا اگر رانیہ سکندر کا اس گھر کی بہو بننا اتنا ہی ضروری ہے تو عیسیٰ ہو یا موسیٰ کیا فرق پڑتا ہے؟" اس کی تنی ہوئی دماغی نسیں ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔ درحقیقت اس نے خود کو ایک عفریت کے پنجے سے آزاد ہوتا محسوس کیا تھا۔

"واقعی مجھے خواہ مخواہ کی قربانی دینے اور اپنی زندگی کو جھونکنے کی نذر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ موسیٰ کے ساتھ وہ سوٹ بھی کرے گی۔ اسے یوں بھی سیدھی سادی لڑکیاں پسند ہیں اور نا صرف اس کی خالہ سے خوب بنتی تھی بلکہ وہ رانیہ کا بھی معترف ہے بلکہ وہ تو اس کے اچھے خاصے قصیدے پڑھا کرتا ہے وہ تو میں نے ہی کبھی غور نہیں کیا۔" اس کا ذہن آگے کی اڑان میں بھر رہا تھا۔ اور امی بے چاری خوش تھیں کہ کم از کم ان کا مشورہ مان کر وہ رانیہ کے متعلق سوچنے پر تو رضامند ہو ہی گیا تھا۔

وہ شام کی چائے کی تیاری میں مصروف تھی اور موسیٰ مسلسل اس کا دماغ چاٹنے میں۔

"پتا نہیں تمہارا کیا بنے گا لڑکی! میں تو سخت پریشان ہوں تمہاری طرف سے۔" وہ مصنوعی تشویش کا اظہار کر رہا تھا۔ رانیہ آزردہ سی ہو گئی۔

"مجھے پتا ہے کہ میری وجہ سے تم لوگوں کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جبھی تو میں نے خالہ جان سے کہا تھا کہ مجھے جانے دیں۔"

"شٹ اپ.....!" اس کا مدعا جان کر وہ یکلخت ہی اسے ڈانٹ گیا تھا۔ پھر اسے گھورنے لگا۔ سیاہ آنکھوں میں نمی کی تحریر واضح تھی اور تاثرات میں آزردگی۔

"بے وقوف لڑکی! مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم اپنی خود ترسی کی دنیا سے کب نکلو گی؟ کیا اب مجھے اتنا بھی حق نہیں ہے کہ میں تم سے مذاق بھی کر سکوں؟ ان چند ماہ

میں کیا بدل گیا ہے۔ تم...... میں یا یہ دنیا؟" وہ اب بھی اسی اپنائیت بھرے انداز میں اسے ڈانٹ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ اس کے یوں علی الاعلان بے وقوف کہنے پر خفا سی ہو کر پلٹ گئی تھی۔

"مگر مجھے پتا ہے کہ تم بہت بے وقوف لڑکی ہو۔" وہ اس کے غصے کا محرک اچھی طرح جانتا تھا سو مزید چڑانے کی خاطر بولا۔

"پتا ہے مجھے۔" ایک دم ہی سے وہ پلٹ گئی تھی۔ یہ اس کا وتیرہ تو نہیں تھا سو اس کی تشویش بجا تھی۔

"کیا ہوا ہے رانیہ!"

"کچھ نہیں۔"

وہ رخ موڑے کھڑی تھی۔ موسیٰ نے اس کا بازو تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تو حسب توقع اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"تم نے وعدہ کیا تھا مجھ سے کبھی نہ رونے کا اور اب پھر تم......؟" وہ شاکی لہجے میں کہتا رک سا گیا تو اس کے آنسو چھلک گئے۔

"میرا صرف وعدے پر ہی اختیار ہے۔" موسیٰ نے لب بھینچے پھر شاکی لہجے میں بولا۔

"مجھ سے کیے وعدے کی کوئی وقعت نہیں تمہاری نظروں میں۔"

"اب روؤں بھی نا......؟" وہ بے بس سی ہو گئی تھی جیسے۔

"کبھی باہر نکل کے دیکھو رانی بی بی! ہزاروں لڑکیاں یتیمی کا سایہ سر پر لیے سڑکوں پر رل رہی ہیں۔ جن کے آگے پیچھے کوئی نہیں جو ان کے سروں پر ہاتھ رکھ سکے۔ تم تو خوش قسمت ہو۔ اتنے سارے محبت کرنے والے لوگ ہیں تمہیں سنبھالنے کے لیے۔ تمہیں تحفظ دینے کے لیے۔" وہ اپنے مزاج کی شوخی کے برعکس بالکل سنجیدہ تھا۔ تبھی وہ نادم ہو گئی۔

"میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا رانیہ! جب بھی خدا کی طرف سے کوئی امتحان یا کوئی آزمائش آئے تو یہ سوچ لینا چاہیے کہ اس سے بھی بڑا امتحان اس سے بھی بڑی آزمائش آ سکتی تھی اور پھر خدا کا شکر ادا کر کے اس سے حوصلہ مانگنا چاہیے۔ بہت جلدی صبر آ جاتا ہے اس عمل سے۔" وہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔ موسیٰ نے اس کا سر پکڑ کر ہلایا۔

"آئی بات سمجھ میں؟"

"ہوں......"

وہ مبہم سے انداز میں کہہ کر پلٹی اور مگوں میں چائے نکالنے لگی۔ مگر وہ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"کیا سمجھی ہو؟"

"یہی کہ خدا کی آزمائش کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیے اور خود کو اس آزمائش کے قابل بن کے دکھانا چاہیے۔" وہ اب بالکل نارمل تھی۔ موسیٰ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم تو بہت اچھی اسٹوڈنٹ ہو۔"

"وقت بہت بڑا استاد ہے۔ اچھے اچھوں کے کس بل نکال دیتا ہے۔ پھر میں تو ایک کمزور سی لڑکی ہوں۔" اس کے ہاتھ میں مگ تھماتے ہوئے وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"انسان کی قوت ارادی مضبوط ہونی چاہیے رانیہ! پھر وقت اور حالات کے تھپیڑے بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور تم میں دو بنیادی چیزوں ہی کی کمی ہے۔ ایک تو مضبوط قوت ارادی اور دوسرے قوت فیصلہ کی کمی۔ کب سے میں کہہ رہا ہوں کہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن اسٹارٹ ہو چکے ہیں۔ مگر تم......" اب کی بار اس کے انداز میں طنز تھا۔ رانیہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"تم جو فارم لائے تھے وہ میں نے فل کر دیا ہے۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ جو اب بڑی بے پروائی سے کہہ رہی تھی۔

"میں نے سوچا کہ مجھے بھی اپنی صلاحیتوں کو آزما

کر دیکھنا چاہیے۔ یوں بھی گریجویشن کر کے میں نے کون سا تیر مار لیا ہے۔" وہ ٹرے میں اپنی اور امی کی چائے اور نمکو کی پلیٹ رکھے اس کے پاس سے گزری تو وہ پیچھے سے چلایا۔

"مگر یہ آئیڈیا تو میرا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میں خود سے کچھ نہیں سوچ سکتی ہوں۔" وہ آرام سے کہہ رہی تھی جب کہ وہ اس کے پیچھے چلتا ہوا ڈرائنگ روم تک آیا۔

"بہت اچھے! دیکھ رہی ہیں امی! لوگ کتنے چالاک ہو گئے ہیں؟" اس نے شکوہ کیا تو وہ بولیں۔

"آج کل زمانہ ہی چالاکی اور تیز طراری کا ہے بیٹے! اچھا ہے نا اسے بھی زمانے کی سمجھ آ گئی ہے۔"

"سمجھ نہیں آئی بلکہ اسے زمانے کی ہوا لگ گئی ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ امی پہلے ہی بیٹے کی باتوں سے جلی بھنی بیٹھی تھیں تنک کر بولیں۔

"تو کیا برا ہے اس میں؟ یہ سادگی کا زمانہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس چیز کی قدر کرتا ہے۔ ہر کسی کو چمکتی دمکتی شوخ چیزیں لبھاتی ہیں۔ خاص طور پر تم جیسے نوجوانوں کو......" اس غیر متوقع گوشمالی پر موسیٰ گڑبڑا گیا تھا۔ جب کہ رانیہ چپ سی ہو گئی تھی۔

"معاف کیجیے گا والدہ محترمہ! آپ مجھے ان نوجوانوں میں شامل مت کریں جو مصنوعی چمک دمک پر جان دیتے ہیں۔ چاہے کوئی چیز کتنی بھی چکا چوند کیوں نہ دی جائے۔ اس کی اصلیت تو سادگی ہی ہے نا اور اگر آپ لڑکیوں کی بات کر رہی ہیں تو بھی میں کہوں گا کہ سادگی اور بے ریائی سے بڑھ کر کوئی خوب صورتی نہیں ہے۔ انسان کو خوب صورت اس کے نقش و نگار نہیں بلکہ اس کی صلاحیت اور اس کا ہنر بناتا ہے۔ آپ نے سنا نہیں کہ خوب صورت ہونا اہم نہیں بلکہ اہم ہونا خوب صورت ہوتا ہے۔ آدمی کا اخلاق خوب صورت ہونا چاہیے۔" یہ محض الفاظ نہیں بلکہ حقیقت میں موسیٰ رضا کی فطرت تھی۔ جو کہ وہ دونوں جانتی تھیں۔

"ذرا سی عقل اپنے بڑے بھائی کو بھی دے دو۔ آسائش زندگی نے اس کا دماغ عرش پر پہنچا دیا ہے۔" امی نے تڑخ کر کہا تو وہ ٹھٹک گیا۔

"بھائی نے ایسا کیا کر دیا ہے؟" اس کے انداز میں حیرت تھی۔

"گویا امی کے اس غصے اور جھنجلاہٹ کا محرک بھائی ہے؟" ذہن نے فی الفور نتیجے کی طرف اڑان بھری تھی۔ امی نے جز بز ہو کر موسیٰ کی طرف دیکھا۔ اب رانیہ کے سامنے وہ کیا بتاتیں؟ خوامخواہ اس کا دل برا ہوتا۔

"یونہی کہہ رہی ہوں جب سے نوکری پر لگا ہے اس کے پاس ہمارے لیے وقت ہی نہیں رہا۔ کبھی جو بیٹھ کر تسلی سے دو باتیں کر لی ہوں۔" انہوں نے یونہی بات لپیٹ دی تھی۔ رانیہ بے تاثر چہرہ لیے چائے پیتی رہی۔

"تو یہ بات آپ انہیں ڈانٹ کر ان کا کان پکڑ کر بھی کہہ سکتی ہیں۔" موسیٰ نے راہ سجھائی۔

"جب اولاد بڑی ہو جائے تو اپنے فیصلوں میں بھی خود مختار ہو جاتی ہے بڑوں کی ڈانٹ بھی اچھی نہیں لگتی۔"

ان کا دل برا ہو رہا تھا۔ نظر بھر کے سامنے بیٹھی رانیہ کو دیکھا۔

بھلا کیا کمی ہے اس میں...... بہت خوب صورت نہ سہی خوش شکل تو ہے نا اور خوب سیرتی کے تو کیا ہی کہنے! گھرداری میں بھی ماہر ہے۔ مگر آج کے یہ لڑکے! انہوں نے گہری سانس بھری تھی۔

"آپ تو خوامخواہ بات کو اتنا سیریس لے رہی ہیں۔ اگر اتنا دل چاہ رہا ہے ڈانٹنے کو تو مجھے ڈانٹ لیں۔ کان بھی کھینچ سکتی ہیں۔" موسیٰ نے چائے کا مگ خالی کر کے تپائی پر رکھتے ہوئے بڑی فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا تو رانیہ نے مسکرا کر اضافہ کیا۔

"بلکہ چاہیں تو مرغا بھی بنا دیں۔ یہ بالکل مائنڈ نہیں کرے گا۔"

"دیکھا! جہاں میری کھنچائی کرنے والی بات ہو وہاں اس کا دماغ کتنا چلتا ہے۔" اسے گھورتے ہوئے موحٰی نے کہا تو وہ خالی مگ ٹرے میں رکھنے لگی۔ امی نے چاہت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری بیٹی ہے ہی بہت ذہین۔"

"ہاں! بس کسی کو پتا ہی نہیں چلتا ہے۔" موحٰی نے طنز کیا وہ اسے چڑانے کی خاطر یونہی مسکراتی رہی۔

اف چچی جان! ڈرائنگ روم کی یہ سیٹنگ بالکل بھی سوٹ نہیں کر رہی ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو میں رانیہ کو اس بارے میں ساری معلومات دے کر گئی تھی۔ ویسی سیٹنگ کیوں نہیں کی۔"

زیبا کی آمد رانیہ کو ہمیشہ ہی ایک امتحان لگا کرتی تھی۔

زیب النساء عرف زیبا!

اپنے نام ہی کا سا حسن اور زیبائی اس کے انداز و اطوار میں موجود تھی۔ شہزادیوں کی سی آن بان اور حسن والوں کا سا نخرہ۔ اگر اس کی تنک مزاجی سے نظر چرا لی جاتی تو حسن و خوب صورتی میں وہ مکمل سے بھی زیادہ نمبر لے جاتی تھی۔ موحٰی کو جانے کیوں اپنی اس تایازاد سے خاصی چڑ تھی۔ آرام سے بولا۔

"کی بھی تو ویسی سیٹنگ رانیہ جی نے...... چلنے پھرنے کی جگہ ہی نہیں بچی تھی ڈرائنگ روم میں دو مرتبہ صوفے کے پائے سے اور ایک مرتبہ سینٹر ٹیبل سے ٹکرانے کے بعد میں نے ہی اسے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا کر اچھی سی سیٹنگ کرنے کو کہا تھا۔ دیکھا کتنی اچھی شکل نکل آئی ہے۔ ہمارے ڈرائنگ روم کی اور جگہ بھی۔"

"ہنہ!" زیبا نے بڑی نخوت سے سر جھٹکا اور ایک تیز نظر موحٰی پر ڈالتے ہوئے بولی۔ "تمہیں تو یوں بھی خوب صورتی کی تمیز نہیں ہے۔"

"کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔" موحٰی کا انداز ہنوز وہی تھا۔ مگر وہ اپنی خوب صورتی کی کاملیت کی طرف سے اس قدر مطمئن رہتی تھی کہ ایسے طنز اسے کچھ خاص بات نہیں لگا کرتے تھے۔

"مگر سونا ہر حال میں سونا ہی ہوتا ہے۔" ان کی یہ بحث مزید طول کھینچتی کہ اسی وقت عیسیٰ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"عیسیٰ آ گیا۔" امی نے کہا تو رانیہ نے دیکھا زیبا بہت سنبھل کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کا پر تمکنت و پر غرور سا انداز نشست، جگر جگر چمکتی آنکھیں اور گلابوں جیسی رنگت۔ رانیہ کو وہ خوب صورتی کی مکمل تصویر لگی تھی۔ موحٰی نے اسے گھور کر دیکھا جو زیبا کو تکے جا رہی تھی۔

"السلام علیکم!" عیسیٰ رضا کے سلام میں روزانہ اس قدر حلاوت نہیں ہوتی تھی۔ یہ یقیناً زیبا کے رخ زیبا کا کمال تھا۔ جس کے ہونٹوں پر بے حد خوب صورت سی مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

"تم آج ادھر کیسے؟"

روزانہ گرمی گرمی کی گردان کرتا آفس سے آتے ہی سیدھا واش روم میں شاور لینے کی غرض سے گھس جانے والا عیسیٰ رضا اس وقت بہت فرصت میں تھا۔ موحٰی نے رانیہ کو معنی خیزی سے دیکھا مگر وہ اس تمام منظر کو کوئی معنی پہنائے بغیر اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ ٹھنڈے ٹھار شربت سے بھرا جگ لیے وہ دوبارہ لاؤنج میں پہنچی تو وہاں ابھی تک شکوے شکایات کا دفتر کھلا ہوا تھا۔

"کب سے گاڑی لے رکھی ہے اور مجال ہے جو ایک بار بھی لانگ ڈرائیو کی آفر کی ہو۔" وہ خفگی سے کہہ رہی تھی مگر اس کی خفگی میں بھی حسن تھا۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں مخالف کے لیے کھلا چیلنج۔ عیسیٰ رضا کی طرف مشروب کا گلاس بڑھاتے

ہوئے رانیہ کو حیرت سی ہوئی کہ یہ بندہ بھی اتنی شگفتگی سے گفتگو کر سکتا ہے۔

"جب تم کہو بندہ حاضر ہے۔"

"ارے جناب! ہم تو اچھے اچھوں کو لائن حاضر کر لیتے ہیں۔" اس نے ابرو کو بڑی دلکش ادا کے ساتھ جنبش دی تھی۔ رانیہ تو اس کی قاتلانہ اداؤں کی قائل ہونے لگی۔

"تو آپ پولیس فورس کیوں نہیں جوائن کر لیتیں؟" خاصا طنز آمیز سوال موحٰی رضا کی طرف سے آیا تھا۔ اس قدر ان رومینٹک جملے نے یقیناً زیبا کو تلملانے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر موحٰی کے ساتھ نمٹنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس لیے محض اسے ایک نگاہ غلط انداز سے دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے ٹارگٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تو چلو پھر...... مجھے گھر ڈراپ کر کے آؤ۔"

"ابھی چھوڑو زیبا! کھانا کھا کر جانا۔ تھوڑی ہی دیر تو رہ گئی ہے۔" امی کی یہ بے قراری زیب النساء کے جلدی واپس جانے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے راج دلارے کی محبت میں امڈی تھی۔ اتنی گرمی میں وہ ابھی گھر میں داخل ہوا تھا اور اب پھر سے...... اگر کیا کیا جائے کہ جب راج دلارا ہی سر کے بل چل کر جانے کو راضی ہو تو......؟

"نہیں چچی جان! میں اتنی جلدی کھانا نہیں کھاتی اور ویسے بھی نئی گاڑی کی خوشی میں عیسیٰ پر ایک پارٹی ادھار ہے۔" وہ ترچھی نظروں سے عیسیٰ کو دیکھتی امی سے کہہ رہی تھی۔

"تم چلو تو آج تمہاری شکایتیں دور کر ہی دوں۔" وہ گلاس خالی کر کے ٹیبل پر رکھتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بھائی آپ تھکے ہوئے آئے ہیں شاور لے لیں انہیں میں چھوڑ آتا ہوں۔" موحٰی کی آفر یونہی بدمزہ سی صورت حال کی طرح ہوتی تھی۔ عیسیٰ تو جز بز ہوا سو ہوا، زیبا کے تاثرات سے بھی لگ رہا تھا کہ وہ موحٰی کے متعلق کچھ زیادہ اچھا نہیں سوچ رہی ہے۔

"اوکے عیسیٰ! تم پہلے شاور لے کر فریش ہو جاؤ۔ پھر چلتے ہیں۔ اتنی دیر میں اگر کھانا بن گیا۔ تو چچی جان کا گلہ بھی دور کرتی جاؤں گی۔" وہ زیادہ دیر تک اپنے مہرے کو پٹنے نہیں دیتی تھی۔ فوراً ہی شیریں لب و لہجے میں بولی تو عیسیٰ بھی مطمئن سا ہو کر اٹھ گیا۔ رانیہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ جہاں کھانا بننے میں ابھی کافی ٹائم تھا۔ اتنی دیر میں یقیناً عیسیٰ اور زیبا چلے جانے والے تھے۔

"رانیہ کیا کر رہی ہے آج کل......؟" وہ امی سے پوچھ رہی تھی۔

"اس قدر سست ہے یہ لڑکی! کیا کرتا تھا اس نے۔ موحٰی نے ہی کہہ سن کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن کرایا ہے۔" امی واقعی اس کی سستی اور خود سے حد درجہ بے پروائی سے عاجز تھیں اب بھی گہری سانس لے کر بولیں۔

"بھلا یہ خود کو ٹک سک سے ذرا ماڈرن بنا کر رکھے تو کیا مجال ہے عیسیٰ کی کہ باگیں تڑوائے۔" انہیں سخت ملال تھا۔

"یونیورسٹی میں......؟" زیبا کو یقیناً شدید جھٹکا لگا تھا۔

شربت سے لطف اندوز ہوتا موحٰی پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔ پورے خاندان میں سے کسی بھی لڑکی نے ابھی یونیورسٹی کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ خود زیبا ایف اے کے بعد گھر بیٹھ رہی تھی۔ تعلیم کی کمی کو اس کی شکل و صورت چھپا لیتی تھی۔

"ہاں میں نے کہا کہ اس قدر ذہین لڑکی کا آگے نہ پڑھنا شدید ظلم ہوگا۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اتنی ذہین لگتی تو نہیں۔" وہ ابھی تک پہلے جھٹکے سے سنبھل نہیں پائی تھی۔

"چہروں کا کیا ہے یہ بڑے دھوکے باز ہوتے

ہیں۔ شکل سے تو آپ بھی بہت ذہین لگتی ہیں۔" موسیٰ کا پُرسکون اور بظاہر بہت عام سا ستائشی انداز تھا کہ مقابل شرما یا ستائش میں تمیز ہی نہ کر پائے۔

"کیا ضرورت تھی اتنا بکھیڑا ڈالنے کی چچی جان! اچھا سا لڑکا دیکھ کر اس کی شادی کر دیتیں۔ گریجویشن کے بعد تو یوں بھی شادی کر دینی چاہیے لڑکی کی۔" وہ بزرگانہ انداز میں مشورہ دے رہی تھی۔

امی بے چاری چپ رہیں۔ اگر وہ "اچھا سا لڑکا" شادی کے لیے راضی ہو گیا ہوتا تو وہ بھلا کب رانیہ کو پڑھنے دیتیں۔

"اسی لیے آپ نے گریجویشن نہیں کیا یعنی کہ شادی سے فرار؟" موسیٰ نے اس کی بات اچکی تو وہ بدمزا ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے پڑھ پڑھ کے بڑھاپا لانے کی کیا ضرورت ہے بھلا!" موسیٰ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی تھی۔

"یعنی آپ ایف اے کے بعد تعلیمی سلسلہ منقطع کر کے بڑھاپے کو روکے بیٹھی ہیں؟ حیرت انگیز۔"

"میں ذرا رانیہ کو دیکھوں کیا کر رہی ہے۔" امی اس کی مدد کے خیال سے اٹھ گئی تھیں۔

"جو ہر لحاظ سے مکمل ہو اسے ایسی پیوندکاریوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آج کل لڑکیوں نے اپنے کمپلیکسز کو چھپانے کے لیے اعلیٰ تعلیم اور نت نئے کورسز کی آڑ لینا شروع کر دی ہے۔ مگر مجھے ایسا کوئی کمپلیکس نہیں جس پر میں ڈگریوں کا پردہ ڈالوں۔"

اس کی سوچ نے موسیٰ کو تاسف میں مبتلا کیا تھا۔

یہ حسن و خوب صورتی کو اول و آخر مان لینے والے خودستائشی کے عادی نرگسیت (اپنی محبت) میں مبتلا لوگ۔ جنہیں خود سے آگے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اخلاقیات کو کم رو لوگوں کی میراث تصور کرنے والے۔

"خیر یہ تو بالکل ہی غلط بات ہے۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ جو لڑکیاں ڈاکٹر یا انجینئر بن رہی ہیں یا دوسرے شعبوں میں نام پیدا کر رہی ہیں۔ وہ تمام کی تمام کمپلیکسز کی ماری ہیں؟ تو آپ سراسر غلط ہیں۔ میرے ساتھ میڈیکل میں ایک سے بڑھ کے ایک خوب صورت اور ویل آف فیملی بیک گراؤنڈ رکھنے والی لڑکی پڑھ رہی ہے تو انہیں بھلا کس کمپلیکس نے اتنی مشکل فیلڈ میں سر کھپانے پر مجبور کیا ہے؟" موسیٰ نے قطعیت کے ساتھ اس کے ٹکڑے ہوئے نظریے کے پتھر کو اینٹ کے ساتھ واپس کیا تھا۔ درحقیقت موسیٰ کے ساتھ بحث کرنا اور پھر جیتنے کی خواہش بھی رکھنا زہبا کے لیے ایک خواب ہی تھا۔ جس کی گفتگو بھی ہوتی تھی ملبوسات اور سیر و تفریح سے آگے بڑھی ہی نہ تھی۔ اسی وقت فریش سا عیسیٰ لاؤنج میں آیا تو زہبا نے سکھ کی سانس لی۔ آفس کے لباس کے برعکس اس وقت وہ کاٹن کے سفید کرتے شلوار میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"چلیں......؟" وہ کہتے ہوئے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں امی کو بتا آؤں۔" عیسیٰ کے اس طرح ماں کی طرف اجازت لینے جانے پر اس کی تیوری پر بل پڑے مگر ساتھ ہی وہ موسیٰ کی طرف دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ بھی کچن کی طرف آ گیا۔

"وہیں بیٹھو جا کر یہاں بہت گرمی ہے۔" رانیہ نے اسے متنبہ کیا مگر وہ اس کی ہدایت کو نظرانداز کرتا امی سے کہنے لگا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ بھائی تائی اماں کی فیملی سے اتنا قریب کیوں ہو رہے ہیں۔ جب کہ ماضی میں انہوں نے کبھی ہمیں لفٹ تک نہیں کرائی اور بھائی ہیں کہ ان کی "سپوتی" کو لانگ ڈرائیو پہ لے جا رہے ہیں۔" اس کے انداز میں ناگواری تھی۔ امی نے اسے ٹوک دیا۔

"وہ تمہارے تایا کی بھی بیٹی ہے۔"

"نیا گھر اور گاڑی ملنے کے بعد وہ ہماری کچھ زیادہ

ہی نیاز اور بن رہی ہیں۔" وہ اسی جلے بھنے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تو کیا نیا گھر اور گاڑی ملنے کے بعد ہم رشتے داریاں چھوڑ دیں۔" امی نے اسے گھرکا مگر وہ سخت برگشتہ ہو رہا تھا۔

"آپ بات کو سمجھ نہیں رہیں۔ پہلے تو کبھی ان لوگوں نے ہمیں جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا اور اب جب دیکھو کوئی نہ کوئی منہ اٹھا کے چلا آ رہا ہے لگتا ہے اس گھر، گاڑی حتیٰ کہ بھائی پر بھی ہم سے زیادہ ان لوگوں کا حق ہے۔"

"کس قدر تنگ دل ہو تم موسیٰ! اگر خدا نے ہمیں اچھے اخلاق سے نواز ہی دیا ہے تو تم شکر کرنے کے بجائے پرانے کھاتے کھنگال رہے ہو؟" امی نے اسے جھڑکا وہ ایسی ہی تھیں بے حد صاف دل۔

"اس طرح کے حساب رکھنے پڑتے ہیں امی جان! لاعلمی میں لٹ جانے اور باعلمی میں لٹ جانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور میں ان لوگوں کے ارادے بہت اچھی طرح سے سمجھ رہا ہوں۔" وہ اب بھی باز نہیں آیا تھا۔

"توبہ ہے۔ اس لڑکے کے دماغ اور زبان دونوں سے میں بہت عاجز ہوں۔ بات کا بتنگڑ بنانے میں تو ماہر ہے یہ۔" امی واقعی عاجز آ گئی تھیں۔ اگر عیسیٰ اپنے والد سے منسلک رشتہ داریوں کو ذمہ داری سے نبھا رہا تھا تو اس میں اعتراض والی کون سی بات تھی۔

"اب بس بھی کرو تم تو دماغ چاٹ لیتے ہو بندے کا۔" رانیہ نے اسے ڈانٹا تو وہ شانے جھٹک کر مسکرا دیا۔

"ہاں مگر جب بندہ ہاتھ سے نکل گیا تو پچھتائیں گے آپ لوگ۔" رانیہ بے اختیار امی کی طرف دیکھنے لگی۔ جنہیں موسیٰ کی یہ تنگ دلی بالکل بھی نہیں بھا رہی تھی۔

"میں حماد کی طرف جا رہا ہوں۔ کھانے تک لوٹ آؤں گا۔" وہ کہتا ہوا چلا گیا تھا۔ رانیہ سر جھٹک کر چولہے کی طرف پلٹ گئی۔

"عیسیٰ! جاتے ہوئے رانیہ کو یونیورسٹی چھوڑ دینا۔" ناشتے کے دوران رانیہ کو تیار بیٹھے ناشتا کرنے میں مصروف دیکھ کر عیسیٰ نے لحظہ بھر کو سوچا تو تھا کیونکہ وہ عموماً اس وقت سب کو ناشتا کروانے کی ڈیوٹی نبھا رہی ہوتی تھی۔ اب وہ ناشتے سے فارغ ہو کر اٹھنے لگا تو امی نے آرڈر دے دیا تھا وہ نہ سمجھنے کے سے انداز میں پوچھنے لگا۔

"وہ کس لیے۔" موسیٰ ہنسنے لگا۔

"یونیورسٹی میں آدمی دو ہی کام سے جا سکتا ہے یا تو پڑھنے یا پھر پڑھانے ہاں کوئی لڑکا ہوتا تو تیسری وجہ بھی ہو سکتی تھی۔"

"سیدھی بات کیا کرو۔" امی نے اسے ڈانٹ دیا پھر گویا عیسیٰ کو متاثر کرنے والے بڑے میٹھے لہجے میں بولیں۔

"ذہین تو یہ شروع ہی سے بہت ہے پھر شوق بھی تھا۔ آگے پڑھنا چاہتی تھی تو میں نے کہا کہ لے لو ایڈمیشن آج خیر سے پہلا روز ہے اس کا۔" وہ تفصیل بتا کر اس امید میں اس کا چہرہ دیکھنے لگیں کہ شاید وہ حیرت یا خوشی کا اظہار کرے تو انہیں رانیہ کی مزید خوبیاں گنوانے کا موقع مل جائے مگر قدرے توقف کے بعد وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اور واپسی میں یہ کیا کرے گی؟"

"کیا مطلب واپسی پہ کیا کرے گی؟" امی نے خفگی سے کہا تھا۔ "خیر سے اپنی گاڑی ہے اور پھر تم روزانہ دوپہر کے کھانے پر فارغ ہی تو ہوتے ہو۔ اسے گھر چھوڑ جایا کرنا۔"

"جایا کرنا" یعنی مستقل ڈیوٹی! عیسیٰ رضا کے اندر سرخ بتی نے جل کر خطرے کا اعلان کیا تھا۔

"یہ تو بہت پرابلم ہو جائے گی امی! ابھی یہ لیٹ تو

بھی میں۔ اس سے تو اچھا ہے کہ یہ پوائنٹ کے ذریعے سفر کرے۔ لڑکیوں میں خود اعتمادی آتی ہے تنہا سفر کرنے سے۔" اس نے بظاہر بڑے خلوص سے مشورہ دیا تھا اور ای نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ اس سے پہلے اس "دبی دبائی" لڑکی نے اس کی طرف دیکھ کر بڑے اطمینان سے پوچھا۔

"آپ سے کس نے کہا کہ مجھ میں خود اعتمادی کی کمی ہے؟" بھائی کو گڑبڑاتے دیکھ کر موسیٰ کو ہنسی آنے لگی۔ پھر وہ ای کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں تو پہلے ہی آپ سے کہہ رہی تھی کہ میں پوائنٹ سے بھی جایا کروں گی۔ سیکڑوں لڑکیاں جاتی ہیں۔" اس کا اعتماد قابل رشک تھا۔ بے اختیار موسیٰ کا دل چاہا اس کا شانہ تھپتھپا کر شاباشی دے۔ حالانکہ اس کا یہ انداز موسیٰ کے لیے بہت غیر متوقع تھا۔ جبکہ یہ اعتماد وہ بھی یہ موسیٰ کو خوب علم تھا۔ یقیناً عزت نفس پر بن آنے کی وجہ سے مقابل کو چار چوٹ کی مار دی جا رہی تھی۔

"مگر میرا دل نہیں مانتا۔ حالات اچھے نہیں ہیں۔" ای اپنی بات پر اڑی ہوئی تھیں۔

"اوکے" پتا نہیں کس دل سے عیسیٰ نے ہامی بھری تھی۔

"اوکے کزن بیسٹ آف لک۔" موسیٰ نے مسکراتے ہوئے اسے وش کیا تھا ای نے پیشانی چوم کر دعا دی۔

"کتنی خوب صورت جوڑی ہے ماشاءاللہ۔" اسے عیسیٰ سے ایک قدم پیچھے جاتے دیکھ کر ای نے حسرت سے کہا تو موسیٰ بڑبڑایا۔

"جی مشرق اور مغرب۔" انہوں نے پھر آہ بھری تھی۔

"یہ لڑکا مان جائے بس۔"

"کیا مطلب کون انکاری ہے؟" وہ چونکا ای کو اپنا دکھ بیان کرنے کا موقع مل گیا۔

"عیسیٰ تمہارا بھائی اور کون۔ صاف انکار کر دیا ہے اس نے رانیہ سے شادی کرنے سے۔" اسے سن کر واقعی افسوس ہوا پھر پوچھنے لگا۔

"انکار کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی۔"

"یونہی خود کو زیادہ ماڈرن سمجھنے لگا ہے۔ کہتا ہے کہ رانیہ سے شادی نہیں کر سکتا۔ بڑی سیدھی سادی اور پرانے دور کی لڑکی ہے میرے ساتھ نہیں چل سکتی۔ یہ جیسے افلاطون کا بچہ ہے۔"

وہ پھر تاسف و غصے کا شکار ہونے لگی تھیں۔ موسیٰ کو ہنسی بھی آئی اور ذہن میں دفعتاً ہی ایک سوچ بھی لہرائی۔ تو وہ یونہی مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"یہ سب رانیہ کو تو نہیں کہا آپ نے؟"

"تو میرا کیا دماغ خراب ہوا ہے۔ کیا صدمہ پہنچتا اس بے چاری کو۔"

"پھر بھی ای اگر یہ سب اسے نہیں معلوم تو پھر یہ یونیورسٹی۔"

حسن کی ادا ہے وجہ نہیں
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

وہ پرسوچ انداز میں کہہ رہا تھا۔ ای نے اسے گھورا۔

"کیا بک رہے ہو؟"

"یونہی کچھ حساب کتاب لگا رہا ہوں۔ اگر ٹھیک نکلا تو پھر میں ہر حال میں یہ شادی کروا کے رہوں گا۔" وہ اس انداز میں کہتا ای کا دل خوش کر گیا۔

عیسیٰ نے بمشکل ناشتے کی میز پر خود سے سرزد ہونے والی بے مروتی کے خمیازے کے طور پر اس سے اس کے مضامین پوچھے تھے اور ان دس منٹوں میں دوسری بار اس عام سی دکھائی دینے والی لڑکی نے اسے حیران کر دیا۔

"آرکیٹکس.....؟" وہ درحقیقت یہی قیاس کیے ہوئے تھا کہ رانیہ بی اے اسلامیات یا پھر زیادہ سے

زیادہ اردو ادب میں ماسٹرز کرنے کا شوق پال بیٹھی ہو گی۔

"اتنا مشکل مضمون۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی کہہ گیا تو قدرے توقف کے بعد وہ سنجیدگی سے بولی۔

"شاید آپ میرے متعلق کافی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ خدا کے فضل سے میں خود اعتماد بھی ہوں اور خود آگاہ بھی۔ میرا ایڈمیشن میرٹ پر ہی ہوا ہے۔" اس کے انداز نے عیسٰی کو خاموش کرا دیا۔

"جبھی اور خشک مزاج ہے۔ جبھی تو اکنامسٹ بننے جا رہی ہے۔" درحقیقت اسے رانیہ سکندر کا "دنیا مٹھی میں ہے۔" والا انداز بہت چبھا تھا۔ شاید اس کی اسی خشک مزاجی کا بدلہ لینے کی خاطر یونیورسٹی پہنچ کر گاڑی روکتے ہوئے اسی کے سے انداز میں بولا۔

"شاید واپسی پر میں تمہیں پک نہ کر پاؤں، موسیٰ کو فون کر دوں گا۔ اگر وہ فارغ ہوا تو آ جائے گا۔" وہ خاموشی سے اتر کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ لب بھینچتے ہوئے عیسٰی نے گاڑی آگے بڑھا دی اور رانیہ سکندر واقعی اتنی اہم نہیں تھی کہ عیسٰی رضا جیسے بندے کو یاد رہ جاتی۔ محض آفس پہنچنے تک کے دورانیے میں وہ اس کے ذہن سے محو ہو چکی تھی۔

یونیورسٹی کا پہلا دن ہی اس کے لیے بہت اچھا ثابت ہوا تھا۔ وہ گھبرائی ہوئی تو تھی مگر اسی گھبراہٹ نے دو خوش مزاج و خوش گفتار لڑکیوں حمیرا اور صباحت کو اس کی طرف بڑھنے پر مجبور کر دیا تھا اور کچھ دیر کے بعد وہ تینوں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

"مجھے تو اکنامکس سے عشق ہے۔" صباحت کا بیان تھا اور حمیرا کا اس سے قطعی مختلف۔

"میرے پاپا کو اکنامکس سے عشق ہے تبھی میں اس ڈیپارٹمنٹ میں ہوں۔" اس کی شکل کے زاویے دیکھ کر وہ دونوں ہنس دیں۔

"اور تم.....!" صباحت نے اس سے پوچھا تو پہلے وہ اسے دیکھنے لگی پھر آہستگی سے بولی۔

"یونہی اتفاق سے بی اے میں اچھی پرسنٹیج آ گئی تھی تو میں نے یہی لے لیا۔" صباحت کو اس کے جواب پر حیرت ہوئی تھی جب کہ حمیرا نے باقاعدہ حسرت سے آہ بھری۔

"کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو تجربے باقی سبجیکٹ رکھتے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ ابا جان کی کھینچی ہوئی لکیر سے ایک انچ بھی ادھر یا ادھر نہیں سرک سکتے۔"

وہ دونوں اس کی آہ و زاری پر پھر سے ہنس دی تھیں۔

آخری پیریڈ اٹینڈ کرنے کے بعد وہ صباحت اور حمیرا کے ساتھ گیٹ کی طرف آ گئی۔

"آج کا دن تو یونہی ہنسی مذاق میں گزر گیا۔ ابھی دیکھنا کل سے پڑھائی کی ریل ایسی چلے گی کہ شاید اصل اسٹیشن سے بھی دو فرلانگ آگے ہی جا کر رکے۔" حمیرا کو اپنی آزادی سلب کیے جانے کا شدید صدمہ تھا۔ جب کہ وہ دونوں مصنوعی ہمدردی سے اس کی ڈھارس بندھا رہی تھیں۔ وہ واپسی پر موسیٰ کی آمد کی توقع کر رہی تھی مگر عیسٰی رضا کو گاڑی میں موجود پا کر اس کی حیرت دوچند ہو گئی۔ صبح اس کے خشک انداز سے وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ واپسی پر اسے لینے آنا نہیں چاہتا ہے۔ ان دونوں کو خدا حافظ کہہ کر وہ گاڑی کی طرف بڑھ آئی۔ اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولنا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ مقفل تھا۔ اس نے دوبارہ کھولنے کی کوشش کی تو خیال یہی تھا کہ اب کی بار عیسٰی خود کار لاک کا بٹن پریس کر کے دروازہ کھول دے گا مگر وہ یونہی بیٹھا چہرہ موڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھنجلا کر اگلی نشست کے کھلے شیشے میں جھکی۔

"دروازہ تو کھولیے۔"

"میں تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں جس کی موجودگی میں تم پچھلی سیٹ پر بیٹھ رہی ہو۔" وہ ناراضگی سے بولا تو وہ

گہری سانس لیتی سیدھی ہو گئی۔ عیسٰی نے دروازے کا لاک کھولا تو وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ بہت تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ماتھے کی شکنیں اور بھینچے ہوئے لب اس کے موڈ کی خرابی کی گواہی دے رہے تھے۔ اسے گھر کے باہر ہی ڈراپ کر کے وہ گاڑی لے اڑا تھا۔ رانیہ نے امی کو پورے دن کی روداد سنائی تھی۔

"بس یونہی خوش رہا کرو رانیہ! میرا دل بھی مطمئن رہتا ہے۔" وہ اسے خوش دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ سالن وہ بنا چکی تھیں ان کے منع کرنے کے باوجود رانیہ نے گرم گرم روٹیاں ڈال لیں۔

"کل سے میں سالن بھی بنا کر جایا کروں گی۔" پانی کا جگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"مجھے کیا یونہی فارغ رکھ کر بے کار کر دو گی؟" وہ مسکرائیں۔ تو وہ بھی انہی کے انداز میں بولی۔

"آپ کو عیش کرواؤں گی۔"

"خوش رہو بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔" وہ مغموم سی ہو گئیں۔

"خالہ! عیسٰی کو آپ نے فون تو نہیں کیا تھا مجھے پک کرنے کے لیے۔" بہت دیر سے ذہن میں اٹکا سوال اس کی زبان پر آ ہی گیا تھا۔

"ہاں تو اور کیا!" وہ سادگی سے بولیں۔ "آج پہلا دن تھا! میں نے سوچا کہیں بھول ہی نہ جائے کہہ رہا تھا میٹنگ ہے موسیٰ کو بھیج دیں۔ میں نے بھی کہہ دیا کہ تم ہی جاؤ گے تو فوراً مان گیا۔" ان کے انداز میں محسوس کن تفاخر تھا۔

"آپ رہنے دیتیں خالہ! میں پوائنٹ سے آ جاتی۔ ٹھیک کہہ رہے تھے وہ اس سے لڑکیوں میں خود اعتمادی بڑھتی ہے۔" اسے عیسٰی رضا کے ماتھے کی شکنیں یاد آ رہی تھیں۔

"تم چپ رہو۔ اسے اپنی ذمہ داریوں کا پتا ہونا چاہیے۔ اگر میں ہی اسے ڈھیل دیتی رہی تو وہ تو بالکل ہی ہاتھوں سے نکل جائے گا۔" انہوں نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔ وہ چپ ہو گئی۔ تو وہ پوچھنے لگیں۔

"تمہیں تو کچھ نہیں کہا اس نے؟"

"نہیں۔" اس نے جگ اپنی طرف گھسیٹا تھا۔ پھر گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

"یونہی ان کا موڈ دیکھ کر مجھے لگا کہ وہ اپنی مرضی سے مجھے پک کرنے نہیں آئے ہیں۔"

صباحت اور حمیرا کی دوستی نے بہت جلد اسے اس کی خود ساختہ قنوطیت اور بے پروائی کے خول میں سے نکال لیا تھا۔ وہ دونوں آزاد اور بے فکرے ماحول کی پروردہ زندگی کو ہلے گلے سے گزارنے کی عادی تھیں۔ اس لیے ان کے ساتھ رہتے ہوئے رانیہ کا خود میں سمٹے رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔

ایک ماہ کے اندر ہی اس میں بہت تبدیلی آ گئی تھی۔

"کیا بات ہے پارٹنر! اب تو دکھائی دینا بھی بند ہو گئی ہو؟" رات کو موسیٰ اس کے کمرے میں چلا آیا۔ تو اس نے چونک کر کتاب پر سے سر اٹھایا تھا۔ پھر اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

"اس کا تو بہت صاف مطلب ہے کہ اب تمہیں عینک لگوا لینی چاہیے۔ تمہاری نظر کمزور ہو گئی ہے۔"

"بڑی پڑھائی ہو رہی ہے۔" وہ اس کے بستر پر مائیکرو اکنامکس کی کتابیں بکھری دیکھ کر متاثر ہونے والے انداز میں بولا تو رانیہ نے کتابیں سمیٹ کر اس کے بیٹھنے کی جگہ بناتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

"خوامخواہ مجھے جھاڑ پر چڑھا رہے ہو ورنہ تمہاری میڈیکل کی بکس دیکھ کر تو مجھے خفقان شروع ہو جاتا تھا۔"

"تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔" وہ بیٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر قدرے ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"تم مذاق تو نہیں اڑاؤ گے؟"

"ایسی کیا بات ہے؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"پڑھائی بہت اچھی جارہی ہے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مجھے اکنامکس پڑھتے ہوئے بہت زیادہ مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا جیسا کہ دوسرے کئی اسٹوڈنٹس کو مسئلہ ہوتا ہے۔"

"ہاں جاؤ لڑکی! تمہیں ابھی خود کو کھوجنے اور دریافت کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ اپنی صلاحیتوں پر اعتبار کرو گی تو بہت جلد خود کو پالو گی۔" وہ ہمیشہ کی طرح اسے نصیحت کررہا تھا۔ اس سے پہلے وہ یونہی سرسری انداز میں یا اوپری دل سے اس کی باتیں سن کر سر ہلا دیا کرتی تھی مگر اب وہ جانتی تھی کہ موحی غلط نہیں کہہ رہا ہے۔

"بس جو تھوڑی بہت پرابلم ہوتی ہیں انہیں حل کرنے کے لیے حمیرا نے مجھے پیش کش کی ہے کہ میں اس کے ساتھ اس کے پاپا سے مدد لے لیا کروں۔ اکنامکس تو ان کی فنگر ٹپس پر ہے۔ پوزیشن ہولڈر ہیں۔ صباحت بھی انہی سے مدد لیتی ہے۔ میں نے کہا کہ گھر سے پوچھ کر بتاؤں گی۔"

"کبھی آفر تو ہاتھوں ہاتھ لینا چاہیے لڑکی! تم بس امی کو بتا دیتیں اور جب جی چاہے پڑھائی میں مدد لے لیتیں۔" وہ کہہ رہا تھا رانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ویسے پارٹنر یونیورسٹی سے تم میں بڑا زبردست چینج آیا ہے۔ بڑی پر اعتماد لگتی ہو اب۔" وہ سراہنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ پھر شرارت سے اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"زیادہ خود اعتمادی تو پوائنٹ کے ذریعے سفر کرنے سے آئی ہوگی۔ ویسے اگلے روز بھائی کی شکل دیکھنے والی تھی جب امی نے انہیں بتایا کہ تم پوائنٹ سے چلی گئی ہو۔"

"میں کسی بات کا بدلہ لینے کے لیے ہرگز پوائنٹ میں سفر نہیں کررہی۔ بس میں کسی پر اپنی وجہ سے خوامخواہ کا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتی۔ مسلط ہونا نہیں چاہتی۔" وہ یکلخت ہی سنجیدہ ہوگئی تھی۔

"بے وقوف ہو تم! عیسیٰ رضا جیسا بندہ کبھی کبھار کسی کی ڈرائیوری میں آتا ہے اور تم نے تو ہاتھ آیا موقع گنوا دیا۔ اپنی دوستوں میں شو ہی بنا لیتیں کہ اتنا ہینڈسم کزن ہے تمہارا۔" وہ اب بھی اسی موڈ میں اسے چھیڑ رہا تھا۔

"عزت اور شہرت وہی پائیدار ہوتی ہے جو انسان کو اپنے حوالے سے ملے کسی کی وجہ سے اہمیت حاصل کرنا پڑے تو ایسے ہی ہوا کہ آپ کسی ایسے ملک کے صدر بن جائیں جس کا کہیں وجود ہی نہیں۔" وہ رسان سے بولی۔ تو موحی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اس کے جملے کی داد دی۔ پھر بولا۔

"تھوڑی سی عقل اس زیبا بی بی کو بھی دے دو۔ سوائے نخروں کے جسے کچھ آتا ہی نہیں۔"

"اسے وہی سوٹ کرتا ہے۔ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ اسی پر ناز کرے گا۔" وہ مطمئن تھی۔

"اور مجھے ایک بات تو بتاؤ تم کیوں اس کی طرح ٹپ ٹاپ سے نہیں رہتیں۔ اکنامکس میں ماسٹرز کرنے کے لیے شکل چہرہ اسرار لازمی تو نہیں ہوتا۔"

"یہ تو خالہ جان ڈالتی ہیں سر میں اور رہی بات ٹپ ٹاپ سے رہنے کی تو میں کم از کم زیبا جتنی ماڈرن تو نہیں ہوسکتی۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"اوہ.....!" موحی جھنجلایا پھر بے اختیار بولا۔

"اسی لیے تو کسی کو نظر نہیں آتیں۔" رانیہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی ایک نظر اسے دیکھا۔

"کس کو.....؟" موحی سنبھل کر بولا۔

"میرا مطلب ہے کہ ماسوائے میرے بس مجھ کو نظر آتی ہو اور کسی کو نہیں۔"

"تو بس ٹھیک ہے نا!" رانیہ نے شانے اچکا کر آرام سے کہا تو موحی کو سمجھ نہ آئی کہ وہ اسے کس طرح سے سمجھا کر عیسیٰ رضا کے لیول تک لے آئے۔ مگر شاید وہ اس کی بات کی گہرائی کو پا گئی تھی۔

"یہ اس سے دو روز بعد کی بات تھی۔

وہ اسپتال سے جلدی لوٹ آیا۔ امی نے خاص تلقین کی تھی رانیہ اس کے لیے ٹھنڈا شربت لے کر آئی تو امی سے بات کرتا موحی ٹھٹک کر رہ گیا۔ کھلتے رنگوں کے لباس میں ملبوس مسکراتی ہوئی رانیہ اس تمل چیز کر پھرنے والی رانیہ سے بالکل جدا لگ رہی تھی۔

"یا خدا! یہ کوئی خواب ہے کیا؟ امی حضور! یہ انارکلی ہے تو پھر وہ کون خاتون تھیں جنہیں صدیوں پہلے دیوار میں چنوا دیا گیا تھا؟" گلاس تھامتے ہوئے وہ ایسی اداکاری کررہا تھا کہ رانیہ کے ساتھ ساتھ امی کو بھی ہنسی آگئی۔ وہ پریشانی میں شربت کے گھونٹ بھرتا ساتھ ساتھ رانیہ کو تکے جارہا تھا۔

"شکر کرو کہ آج کے دن ہی سہی اس کا بھی جی چاہا کہ کچھ اچھا پہن لے۔ الماری بھری پڑی ہے کپڑوں سے مگر یہ ہاتھ نہیں لگاتی۔" امی کا شکوہ بھی بجا تھا۔

مگر وہ اپنی ازلی سستی کا کیا کرتی۔

لیکن اب اگر اس راہ پر چل کے منزل حاصل ہوتی تھی تو کیا برا تھا؟ اس نے آج منزل کی جانب پہلا قدم اٹھایا تھا۔

"اب تم فٹافٹ کپڑے تبدیل کرکے آؤ۔" رانیہ نے اسے کہا تو وہ منمناتے انداز میں بولا۔

"سوری بھئی! ابھی کوئی مروت دکھانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اتنی راتوں سے نائٹ شفٹ کررہا ہوں۔ آج تو جی بھر کے سوؤں گا۔"

"خبردار!" رانیہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"واللہ! کاجل بھی پہنتی ہو تم؟" وہ اس قدر بے ساختگی سے بولا کہ رانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کاجل لگاتے ہیں آنکھوں میں بیٹا جی! پہنتے نہیں۔" امی مسکرائیں تو وہ جل سا ہو کر کھڑا ہوا۔

"وہی..... وہی اور پہلے کون سا یہ بھی اتنے ڈھنگ کے حلیے میں نظر آتی ہے۔ آج تو سب کچھ عجیب سا ہی لگ رہا ہے۔"

"اب بس بھی کرو۔ میں تو صاف ستھری لگ کے شرمندہ ہورہی ہوں۔" رانیہ نے اسے تیر کی طرح اپنے کمرے کی طرف جاتے دیکھ کر بولی۔

"اور تم پانچ منٹ میں باہر آرہے ہو۔ سمجھے!"

"آرہا ہوں بابا!" وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔

ذرا دیر بعد باہر آیا تو جمائیوں پر جمائیاں لیتا۔

"کہیں لے کر نہیں جاؤں گا میں! جو بات کرنی ہے پانچ منٹ میں کرو۔ میں بس بیڈ پہ گر کے سوؤں گا جا کے۔" وہ مسکراتی ہوئی ٹرے میں اپنے ہاتھوں سے بیک کیا ہوا بادام اور شہد کی ٹاپنگ سے سجا کیک لیے چلی آئی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو.....!"

"خدا صحت کے ساتھ لمبی عمر دے میرے بچے کو اور کامیابیاں۔" امی نے اس کی پیشانی چومی تو وہ جو جھک کے سینٹر ٹیبل پر ٹرے رکھتی رانیہ کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ گڑبڑا گیا۔

موم بتیوں کی لو اس کے چہرے کو کیا ہی اجلا سا حسن بخش رہی تھی۔ رانیہ نے چھری اس کی طرف بڑھائی۔

"جلدی کرو چار منٹ رہ گئے ہیں باقی۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولی تو موحی نے سر جھٹکتے ہوئے چھری تھام لی۔ اسی وقت عیسیٰ نے بھی اندر قدم رکھا۔

"ارے واہ! یہاں کیا سلیبریٹ کیا جارہا ہے؟" وہ حیران ہوا تو موحی نے برجستہ کہا۔

"وہی جو آپ کو یاد نہیں رہتا۔" عیسیٰ کو فوراً ہی یاد آگیا آگے بڑھ کے اسے گلے سے لگا کے وش کیا۔

"آئی ایم سوری! صبح تک تو یاد تھا۔ بس آفس کی مصروفیت میں بھول گیا۔ واپسی میں تائی جان نے بلا لیا تو بس.....!" اس کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔ کیونکہ موحی ہمیشہ اس کا برتھ ڈے یاد رکھتا تھا۔

"خیریت تو تھی؟" امی متفکر ہوگئیں۔

"جی.....!" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔ اب کیا بتاتا کہ

تائی جان کی بیٹی نے "لائن حاضر" کر رکھا تھا۔ موسیٰ نے اچھی طرح سمجھتے ہوئے بےزاری سے سر جھٹکا۔ عیسیٰ کا زیبا کی طرف جھکاؤ اب بالکل واضح تھا۔

اور پھر موسیٰ نے اپنے تئیں قسم ہی کھالی۔ رانیہ کو بدلنے کی۔

"یہ کلر پہنو یہ نہ پہنو۔ اس بوتیک سے ڈریس لاؤ۔ وہاں سے مت خریدو۔ یہ کھاؤ یہ پیو اس طرح رہو۔" موسیٰ نے چن چن کے عیسیٰ کی پسند و ناپسند رانیہ پر لاد دی (مگر عیسیٰ کا نام بیچ میں لائے بغیر) اور وہ بےچاری تو آنکھیں بند کیے موسیٰ کے کہے پر عمل کیے جاتی۔

"شاباش! گڈ گرل۔ منزل کے بہت قریب ہو تم!" موسیٰ نے چہک کر اس روز کہا جب عیسیٰ نے رانیہ کے بدلے ہوئے روپ کی تعریف کی۔ تو وہ جھینپ سی گئی۔

زیبا کا چکر کافی عرصے بعد لگا تو وہ رانیہ کا پُراعتماد اور انوکھا سا روپ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"چائے......!" رانیہ نے اسے متوجہ کیا تو وہ چونکی۔

"بہت چینج آگیا ہے تم میں۔" زیبا کا بات کرنے کا اپنا ہی تمسخرانہ انداز تھا۔

"چلو یونیورسٹی جانے کا کوئی تو فائدہ ہوا۔"

"ارے مزے تو آپ کے ہیں جو یونیورسٹی نہ جا کے بھی فائدے اٹھا رہی ہیں۔"

موسیٰ کون سا اس سے کم تھا۔ رانیہ نے تنبیہی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ ان دیکھا کر گیا۔

"اور سنائیں آج کل کون سی نئی ڈش پکانا سیکھی ہے آپ نے؟" زیبا کا موڈ بگڑنے لگا۔ موسیٰ آج اسے چھیڑنے کے موڈ میں تھا۔ عیسیٰ ابھی چینج کر کے آیا تھا۔ خوش دلی سے مسکراتے ہوئے جواب اس نے دیا۔

"بھئی زیبا بہت اچھی کوکنگ کرتی ہے۔ خصوصاً چکن کباب ہانڈی مسالے والی مجھے تو بےحد پسند آئی اور میٹھے میں فرنی لاجواب۔"

امی نے شکوہ کناں نگاہوں سے موسیٰ کو دیکھا جیسے شکایت کر رہی ہوں۔ بیٹا تو ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ بہانے بہانے تایا کے گھر جاتا بلکہ کھانا تک کھا کے آتا تھا اور گھر میں کسی کو خبر نہ تھی۔

"ہم تو تب مانیں جب کبھی ہمیں کھلائیں۔" موسیٰ کے لب ولہجے میں آنچ سی تھی۔

"کیوں بھائی کی زبان پر اعتبار نہیں ہے تمہیں۔" زیبا تنک کر بولی۔

"ثبوت کے بغیر ہم کوئی دعویٰ نہیں مانتے جناب! یہ ہماری رانیہ وی گریٹ نہ صرف ماسٹرز کر رہی ہے بلکہ کوکنگ میں بھی ماسٹر ہے۔ کیوں بھائی!" موسیٰ تو رانیہ کی تعریف کا کوئی موقع جانے نہ دیتا تھا مگر رانیہ کے ہاتھ کے ذائقے کا معترف ہونے کے باوجود عیسیٰ اس کی تائید کر کے زیبا سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا تھا۔

"رانیہ کا اس سے بھلا کیا مقابلہ یہ تو شہزادی زیبا النساء ہے۔" وہ دل بری والے انداز میں بولا تو امی کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج گئی۔ موسیٰ نے لب بھینچتے ہوئے رانیہ کو دیکھا جو بےتاثر چہرے کے ساتھ چائے کے برتن سمیٹ رہی تھی۔ پھر دفعتاً مسکرا کر تفاخر سے بولا۔

"اور یہ رانیہ ہے دلوں کی ملکہ رانیہ۔"

"سچ کہا تم نے رانیہ جیسا تو کوئی نہیں۔" امی کو بھی عیسیٰ کا والہانہ انداز پسند نہ آرہا تھا۔ سو جی جان سے موسیٰ کی حمایت کی۔ مگر عیسیٰ اور زیبا دونوں ہی کو رانیہ کے قصیدے پسند نہ آرہے تھے۔ سو عیسیٰ فوراً ہی زیبا کو ڈراپ کر کے آنے کا بہانہ کر کے اٹھ گیا۔ زیبا نے تفاخر سے سر بلند کرتے ہوئے عیسیٰ کی معیت میں قدم بڑھائے تھے۔

اور پھر موسیٰ کی ساری محنت بےکار گئی۔ عیسیٰ نے

صاف لفظوں میں رانیہ کے لیے انکار کر کے امی کو زیبا کے لیے پروپوزل لے جانے کا کہا تو وہ بھی چپ سی ہوگئیں۔ جوان اولاد جب آپ کی بات نہ مانے تو اس کی بات مان لینی چاہیے۔ خسارہ کم ہوتا ہے۔ یا کم از کم آپ خسارے میں نہیں رہتے۔ انہوں نے بھی یہی کیا۔

موسیٰ نے ٹٹول ٹٹول کر رانیہ کا چہرہ دیکھا مگر وہ اپنا دکھ چھپانے میں شاید ماہر ہو چکی تھی۔ نہ کوئی غم نہ بہت خوشی۔ مگر موسیٰ کا دل اس کا دل ٹوٹنے کے خیال سے بہت دکھی تھا۔ بےچاری نے کتنی محنت کی تھی خود کو عیسیٰ کی پسند میں ڈھالنے کے لیے اور انعام کیا ملا؟ کبھی کبھی تو موسیٰ کو حیرت ہوتی۔ جانے عیسیٰ کو رانیہ کیوں دکھائی نہ دی تھی جب کہ اس کا بدلا ہوا روپ اور نکھرا ہوا انداز موسیٰ کو بار بار ٹھٹکا گیا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ عیسیٰ کے قدم زیبا تک تھم چکے ہیں۔ وہ اس سے آگے بڑھنا ہی نہیں چاہتا تھا تو آج کی رانیہ کو کیا دیکھتا۔ عیسیٰ کے بہت مجبور کرنے پر امی موسیٰ کے ساتھ مٹھائی کا ٹوکرا لے گئیں کہ جیٹھانی تو پہلے ہی رشتہ پکا کیے بیٹھی تھیں۔ اب تو محض رسم باقی تھی۔ مگر وہاں ان کے تو مزاج ہی نہ مل رہے تھے۔

"بھئی رانیہ کا تو کچھ کریں جوان لڑکی گھر میں بیٹھی ہے اور تم بیاہ رچا رہی ہو۔"

"اس کا اس معاملے سے کیا تعلق؟" امی تو امی موسیٰ بھی چونک کر ناگواری سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کیوں بھئی تعلق کیوں نہیں؟ یہاں تو اصلی نندوں کو بھابیاں کھٹکتی ہیں وہ تو پھر......؟" تائی جان کی ذہنیت ابھی بھی ویسی ہی تھی۔ یقیناً یہ زیبا کی پڑھائی پٹی تھی۔ ان کا ایک ہی مطالبہ تھا پہلے رانیہ کو اپنے گھر بار کا کرو پھر ہی زیبا اور عیسیٰ کے رشتے کی بابت سوچا جا سکتا ہے۔ امی کا بی پی شوٹ کرنے لگا ان کا سرخ پڑتا چہرہ موسیٰ سے چھپا ہوا نہ تھا۔

"اب ان دونوں کی شادی کرنے کے لیے رانیہ کو گھر سے نکال تو نہیں سکتے نا۔"

"نکالنے کو کون کہہ رہا ہے۔ شادی کر دو اس کی عیسیٰ اور زیبا کے ولیمے والے روز بارات رکھ لو۔" وہ انتہائی اطمینان سے یوں بولیں جیسے رانیہ پانچ برسوں سے منگنی شدہ ہو۔

"رانیہ کے لیے بھی خدا کی طرف سے بہتری ہوگی بھابی! آپ زیبا کے لیے تو ہاں بھریں۔ میں تو سیدھے سبھاؤ شادی کی تاریخ لینے آئی ہوں۔" امی اپنا غصہ ناگواری اور انا کو بیٹے کے پیار تلے دبائے رسان سے بولیں تو انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔

"دیکھو بھئی بات صاف ہے۔ میری بچی یہ نند وند کے جنجال میں نہیں پڑ سکتی۔ تم سے تو خیر اور رشتہ ہے مگر وہ کون سا کم نند ہے۔" وہی محدود سوچ تنگ ذہنیت۔ موسیٰ اپنی جگہ تلملا رہا تھا۔ ادھر عیسیٰ نے آج ہی اس رشتے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ضد باندھ رکھی تھی۔

مگر تائی جان تو اپنی بات پہ اٹک ہی گئیں۔

امی اور موسیٰ ان کی شرط ساتھ لیے لوٹ آئے۔

"یہ شرط رکھی ہے تمہاری تائی نے لو بھلا اب گھر سے نکال باہر کروں بچی کو۔ اتنے تنگ دل ہیں ان لوگوں کے؟" امی تو آتے ہی حوصلہ ہار کر رونے بیٹھ گئیں۔

"اُف! رونے والی کون سی بات ہے اس میں شادی تو کرنی ہی ہے رانیہ کی۔ کر دیں بس اتنی سی بات ہے۔" عیسیٰ بہت بدل چکا تھا امی کو احساس ہوا۔

"اس کے لیے لڑکا چاہیے ہوتا ہے شاید۔" موسیٰ نے چبا چبا کر کہا تو عیسیٰ نے اطمینان سے کہا۔

"ہاں تو تم ہو نا!" اس قدر غیر متوقع الفاظ پر موسیٰ کا دماغ بھک سے اڑا۔

"تم تو قدر دان بھی ہو اس کی خوبیوں کے۔"

"آپ سے مشورہ نہیں مانگا میں نے۔" موسیٰ کو الفاظ جمع کرنے مشکل ہوئے۔

"کیوں......؟ اب وہ دنیا کی بہترین لڑکی نہیں

رہی کیا؟'' وہ تمسخرانہ انداز میں اسے اسی کے کہے الفاظ یاد کرا رہا تھا۔

''وہ میں نے آپ کے لیے کہا تھا۔'' موسیٰ کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے۔

''چہ خوب یعنی میرے لیے وہ ایک بہترین لڑکی اور تمہارے لیے نہیں ہے۔'' وہ طنزیہ بولا۔

''امی اس سے آپ کا رشتہ طے کرنا چاہتی ہیں۔'' موسیٰ نے تحمل سے جواب دیا پھر مزید بولا۔

''میں نے کبھی اس کے متعلق نہیں سوچا۔''

''تو اب سوچ لو۔ میں تو اول روز سے انٹرسٹڈ نہیں ہوں اس معاملے میں۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔

''آپ اپنے مسائل کی گٹھری میرے سر پر رکھنے کی کوشش مت کریں۔'' موسیٰ کو غصہ آنے لگا۔

''لیں......!'' عیسیٰ نے ہنس کر امی کو متوجہ کیا۔ ''وہ بہترین لڑکی اب مسائل کی گٹھری ہو گئی۔''

''آپ اس معاملے میں مجھے مت لائیں۔ بات آپ کی اور رانیہ کی شادی کی ہو رہی ہے۔ فیصلہ امی کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہیں وہی فیصلہ کریں گی اور اس گھر میں سب کو قبول کرنا ہوگا کیونکہ امی نے آج تک ہماری اور اس گھر کی بھلائی کے لیے ہی فیصلے کیے ہیں۔''

موسیٰ کا چہرہ دہک رہا تھا اور لب و لہجے سے آنچ سی اٹھ رہی تھی۔ چند لمحوں کے لیے تو عیسیٰ بھی کچھ نہ بول پایا پھر قدرے توقف کے بعد تیوری چڑھا کر بولا۔

''امی! امی بھلا کیا فیصلہ کریں گی؟ میرا مطلب ہے کہ امی کو تو اولاد کی خوشی سامنے رکھ کے ہی فیصلہ کرنا ہے نا!''

''ہاں......!'' ان کے لبوں سے سرد آہ نکلی۔ ''ایک وقت آتا ہے کہ ماں کی خوشی پس پشت جا پڑتی ہے اور صرف اولاد کی خوشی مقدم رہ جاتی ہے۔'' وہ متاسفانہ انداز میں بولتے ہوئے لحظہ بھر کے لیے رکیں پھر مضبوط لہجے میں بولیں۔

''تمہاری ساس کو رانیہ کی شادی نہ ہونے پر اعتراض ہے اور میں نہیں چاہتی کہ تمہاری مخالفت میں فیصلہ کر کے تمہاری زندگی خراب کروں۔ مگر اتنی افراتفری میں میں واقعی اسے ایسے آنکھیں بند کر کے کہیں نہیں دھکیل سکتی۔'' وہ ذرا رکی پھر موسیٰ کو دیکھتے ہوئے باقی بات مکمل کی۔ ''جتنا موسیٰ اسے جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا اور میری یہی خوشی ہے کہ رانیہ اس گھر کی بہو بنے۔ عیسیٰ نہ سہی موسیٰ سہی۔ اس کی حیثیت تو وہی رہے گی نا!'' امی نے بھی دھماکا کر ہی دیا۔

موسیٰ کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ جب کہ عیسیٰ نے فوراً آگے بڑھ کر تشکرانہ انداز میں ماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے۔

''ویری گریٹ امی جان! میں بھی یہی چاہتا تھا کہ میرے نہیں تو موسیٰ کے توسط سے آپ کو یہ خوشی ضرور مل جائے۔'' امی بھی تمام گلے شکوے بھول کر مسکرا دیں۔ عیسیٰ نے تیز نگاہوں سے موسیٰ کی طرف دیکھا۔ ''اور موسیٰ کو تو ظاہر ہے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ جتنی انڈر اسٹینڈنگ ان دونوں کے بیچ ہے وہ اس رشتے کے لیے آئیڈیل ہے۔'' موسیٰ کے لیے یہ موضوع یہ فیصلہ بے حد اچانک اور تکلیف دہ تھا۔

''جس کی زندگی کا فیصلہ ہے اس سے بھی کسی نے پوچھا ہے یا وہ کوئی بے جان مورت ہے؟'' وہ تلخ ہونے لگا کہ رانیہ کو اس طرح سوچنا بھی اسے گناہ لگتا تھا۔

''وہ امی کی ذمہ داری ہے۔ اپنے آپ فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے وہ۔'' عیسیٰ نے جلدی سے کہا۔ وہ کسی طور اس فیصلے پر کوئی آنچ نہ آنے دینا چاہتا تھا۔

''یہاں تو اپنی اولاد والدین کے فیصلوں کو پاؤں کی ٹھوکر میں رکھتی ہے بھائی! وہ تو پھر بھانجی ہے۔'' موسیٰ نے بھرپور طنز کیا۔ مگر عیسیٰ نے جو کھیل کھیلا تھا وہ مکمل ہو چکا تھا اب اسے اس طنز و تمسخر کی پروا نہ تھی۔

''وہ مجھ پہ چھوڑ دو۔'' دفعتاً امی نے آگے بڑھ کے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرا اور اس کی فراخ پیشانی چوم لی۔

''میں صدقے میری لاج رکھنے والا میرا شہزادہ بیٹا!'' ان کی آواز میں نمی گھلی تھی۔ موسیٰ کا دل پسیجا تو احتجاج کے الفاظ اندر سر پٹختے رہ گئے۔ وہ دانتوں پر دانت جمائے اپنا ضبط آزما کر رہ گیا۔

عیسیٰ نے فوراً زیبا کو یہ خوش خبری پہنچائی تو وہ اچھل ہی تو پڑی۔

''کیا کیا کہہ رہے ہو تم؟'' اسے لگا جیسے کچھ غلط سن لیا ہو۔ عیسیٰ ہنسا۔

''دیکھا کیسے مسئلہ حل کیا تمہارا۔''

''حل......؟'' وہ چونکی۔

''یہ بوگس حل نکالا ہے تم نے؟''

''کیا مطلب؟ تمہیں کو اس کا کنوارا رہنا خطرہ لگ رہا تھا۔ میں نے امی کی توجہ موسیٰ کی طرف کروا دی۔'' وہ کچھ سمجھ نہ پایا تھا کہ زیبا کی ناخوشی کی کیا وجہ ہے۔

''اوفوہ میں نے یہ کہا تھا کہ اس کی شادی کروا کے کہیں رخصت کریں۔ یہ تو نہیں کہا تھا کہ مستقل کا سر درد گھر میں ہی پال لیں۔'' وہ خوب ہی بگڑی جھنجلائی۔ عیسیٰ کی تیوری پر بھی بل پڑنے لگے۔

''تمہارا مسئلہ کیا ہے زیبا؟ محض رانیہ کی شادی یا اس کا اس گھر سے چلے جانا؟'' اس کے لب و لہجے کی تبدیلی نے زیبا کو سنبھلنے پر مجبور کر دیا۔

''خیر مجھے کیا ویسے وہ موسیٰ کے ساتھ سوٹ نہیں کرتی۔ ڈاکٹر بن چکا ہے وہ۔''

''تو وہ کون سا انگوٹھا چھاپ ہے۔ اکنامکس میں ماسٹرز کر رہی ہے۔ میں نے تو تم سے بھی کہا تھا کہ آہستہ آہستہ پڑھائی مکمل کر لو۔ کم از کم گریجویشن......؟''

''لو جی......؟'' زیبا نے دانت پیسے۔ ''اب ہر

وقت کی مقابلہ بازی ہوا کرے گی۔

"اسے اپنے احساسِ کمتری پر پردہ ڈالنے کے لیے اس سے سرکھپائی کی ضرورت ہے۔ مجھے تو خدا نے ذہانت اور حسن دونوں سے نواز رکھا ہے۔" اس نے غرور سے کہا۔ عیسٰی ہنسا پھر اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

"اچھا ویسے کہتے ہیں کہ خوب صورت عورت بے وقوف ہوتی ہے۔"

"پھا نہیں تم خود ہی اندازہ کرلو کہ میں نے تمہیں پسند کیا ہے اب یہ بے وقوفی ہے یا عقل مندی؟" وہ بھی شرارت کے موڈ میں آئی تو عیسٰی اپنے لفظوں سے پھر گیا۔

"ارے نہیں میری جان! تم میں تو حسن و ذہانت کوٹ کوٹ کے بھرے ہوئے ہیں۔"

"مان گئے ہو آخر؟" وہ اٹھلائی۔

"ارے ہم ایسے ہی تو دیوانے نہیں ہو گئے اور سب سے بڑا گن تمہارا سگھڑاپا۔ محض خود کو ہی نہیں گھر اور کچن کو سنوارنے کا بھی شوق ہے تمہیں۔" وہ متاثر ہونے والے انداز میں بولا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ مگر پھر قدر بھی اتنی ہی کرنی پڑے گی میری۔"

"تم مل تو جاؤ ایک بار پھر اپنے ہونے پہ رشک کیا کرو گی۔" اس کا لہجہ بوجھل ہو کر سرگوشی میں ڈھلا تو زیبا کی نسں نس میں بھی خمار اترنے لگا۔

⁂

وہ نیم تاریک کمرے میں بستر پر اوندھا پڑا زندگی کے اس اچانک اور غیر یقینی المیے پر غور کر رہا تھا جس سے اچانک ہی واسطہ پڑ گیا تھا۔ ایسے ہی جیسے بھاگتے کو غیر متوقع طور پر ٹھوکر لگے اور وہ منہ کے بل آن گرے۔ امی کا یہ فیصلہ اس کی زندگی کے بھاگتے گھوڑے کو ایسے ہی ٹھوکر لگا گیا تھا۔ اور وہ بہت ذہین دوسروں کو چٹکیوں میں اڑانے والا اب اوندھے منہ پڑا اس المیے کا سوگ منا رہا تھا۔ امی نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ آن کی تو اس نے تاگواری سے سر اٹھا کر آنے والے کو دیکھا۔ پھر امی کو سامنے پا کر سیدھا ہو کر تکیے سے ٹیک لگالی۔

"تم کیوں صبح سے کمرے میں بند پڑے ہو کیا چھٹی کے مزے لے رہے ہو؟" انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ موسٰی سے بہت خوش ہیں۔ موسٰی خاموشی رہ کر جیسے انہیں اپنی خفگی جتا رہا تھا۔ اور وہ کون سا بچی تھیں۔ اچھی طرح اس کی کشمکش سمجھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے موسٰی! پچھتا رہے ہو میرا کہا مان کر؟" اس نے خفگی سے پرنگاہ ای پڑ ڈالی۔

"بات پچھتانے کی نہیں امی! پہلے آپ کو مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی۔"

"کیوں؟ کیا میرا تم پر اتنا بھی حق نہیں کہ میں خود سے تمہارے لیے کوئی فیصلہ کرسکوں؟" ان کے انداز میں یکلخت ہی اتنی مایوسی اور خفگی اتر آئی کہ موسٰی جیسا سب کا خیال کرنے والا بندہ شرمندہ ہو گیا۔

"وجہ یہ نہیں امی! مگر رانیہ کی خوشی سب سے زیادہ اہم تھی۔" وہ دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی خوشی عیسٰی رضا ہے۔ موسٰی رضا نہیں۔ مگر امی نے پرجوش لہجے میں بتایا۔

"اگر تم اس وجہ سے پریشان ہو تو بے فکر رہو۔ یہ بات میں نے رانیہ سے پوچھنے کے بعد ہی کی ہے۔" وہ گویا ناسمجھی کے عالم میں انہیں دیکھے گیا۔ تو وہ پھر بولیں۔

"اسے اس رشتے پر بھلا کیا اعتراض ہونا ہے۔ جتنی تم سے اس کی دوستی ہے جتنا تم اسے سمجھتے ہو وہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔" موسٰی نے گہری سانس بھری۔ (امی بات کا تو رونا ہے؟)

"چلو اب تو مسکرادو خوش ہو جاؤ۔" امی نے پیار سے اس کے بال سنوارے تو وہ بمشکل ہی مسکرا پایا۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔ میں اپنی مرحومہ بہن کی روح کے آگے سرخرو ہوئی۔" وہ بے حد خوش تھیں۔ اور موسٰی..... ؟ اس نے اپنا آپ ٹٹولا۔ تو دل بے حد سرد محسوس ہوا اور اندر بے پناہ خاموشی۔

⁂

اور پھر ایک ماہ کے اندر اندر امی نے ایسی پھرتی سے دونوں شادیوں کی تیاری کی کہ اپنی تمام بیماری بھول بھال گئیں۔

"ابھی منگنی کردیں۔ میری ہاؤس جاب تو ختم ہونے دیں شادی جاب کے بعد۔" موسٰی کا ایک بھی واویلا انہوں نے نہ سنا تھا۔ وہ زیبا اور رانیہ کو اکٹھے شاپنگ کے لیے لے جاتیں بری کے تمام کپڑے اور زیور وہ ان دونوں کے پسند سے خریدنا چاہتی تھیں۔

رانیہ تو ذرا بھی دلچسپی نہ دکھاتی مگر زیبا تو ہر کپڑا اور جوتا اپنی پسند سے لے رہی تھی۔ انہوں نے دونوں بہوؤں کے لیے ایک سے جوڑے لینے چاہے تو زیبا نے صاف لفظوں میں منع کردیا۔

"چچی جان! رانیہ کے لیے آپ اپنی پسند سے لے لیجیے۔ میں ایک جیسے یونیفارم نہیں پہن سکتی اور ویسے بھی میں اپنے سارے کپڑے بوتیک سے تیار کرواؤں گی۔" رانیہ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ورنہ جیسے ڈارک اور برائٹ کلرز زیبا اپنی بے تحاشا گوری رنگت کو نمایاں کرنے کے لیے خرید رہی تھی وہ رانیہ تو کبھی نہ پہنتی۔

اس نے اپنے لیے میڈیم کلرز پسند کیے اور باقی تمام امی پر چھوڑ دیا۔ وہ اس کی سعادت مندی پر خوش تھیں۔

"تمام رنگ تمہاری پسند کے لیے ہیں رانیہ نے..... خوب سجے گی تم دونوں کی۔" امی نے بطور خاص موسٰی کو بتایا تھا۔ موسٰی کو بے اختیار یاد آیا۔

(عیسٰی کی پسند میں ڈھلنے والی..... اب مجھ سے نبھا کر پائے گی کیا؟)

اور پھر وہ دن بھی آیا کہ در و دیوار پہ شادمانی کا سایہ ہوا اور وہ اپسرا اوس جیسی دلہنیں اس گھر میں اتریں۔ عیسٰی کے ہر انداز میں شوخی اور زیبا کی ہر ادا میں اتراہٹ۔ مگر موسٰی کی مسکراہٹ بھی سوچی سی تھی اور رانیہ کا انداز پرسکون یا شاید پرسکوت موسٰی یہی سوچ سکا۔

ای کسی کام سے کچن میں آئیں تو اسے فریج سے ٹیک لگائے پانی کی بوتل ہاتھ میں تھامے کھڑا دیکھ کر حیران ہو گئیں۔

"تم کچن میں کیا کر رہے ہو؟" وہ سنبھلا اور پانی کی بوتل منہ سے لگالی۔

"کمال کرتے ہو موسٰی! تمہارے کمرے میں پانی کی بوتل رکھی تھی میں نے۔"

"اچھا! نظر نہیں آئی۔" وہ نارمل سے انداز میں کہتا مڑ کر فریج میں بوتل رکھنے لگا۔ پھر ان سے پوچھنے لگا۔

"آپ کیوں نہیں سوئیں ابھی تک؟"

"ایسے ہی سب کچھ سمیٹتے سمیٹتے دیر ہو گئی۔ تم چلو اب رانیہ بے چاری انتظار میں تھک گئی ہو گی۔" انہیں فکر تھی کہ رانیہ کو آج ہلکی سی حرارت بھی ہو رہی تھی۔ موسٰی کو اپنے کمرے میں آنا ہی پڑا۔ اک عجیب سی شرمندگی اور ہلکے پن کا احساس اسے گھیرے ہوئے تھا۔ کوئی ایسا شوہر جس کی بیوی کسی اور کو پسند کرتی ہو اس کے جذبات واحساسات کیسے ہو سکتے ہیں؟"

اسے رانیہ سے کوئی امید یا خوش فہمی نہ تھی۔ مگر پھر بھی اسے کمبل اوڑھے بے سدھ سویا پا کر موسٰی نے خود کو مزید سرد ہوتا محسوس کیا تھا۔

(جاری ہے)

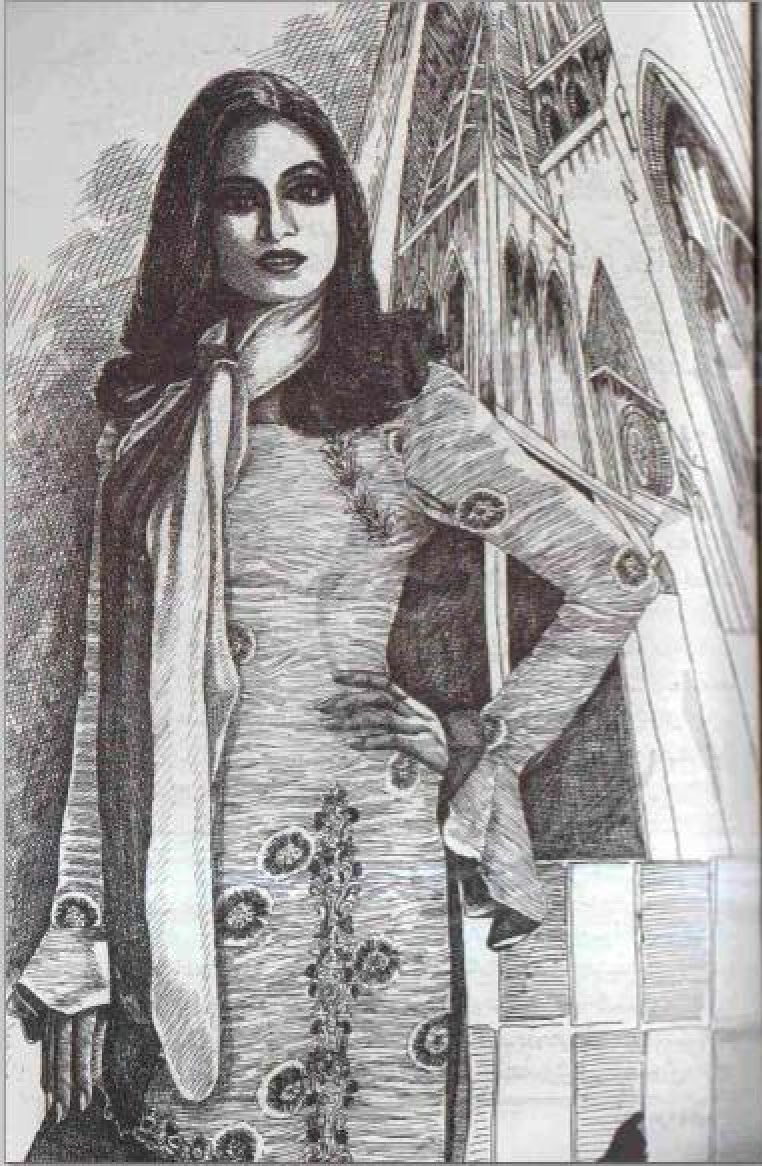

تیرے ہمراہ جاناں

عفت سحر طاہر

سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر سالگرہ نمبر

میں اس حصار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
رچا ہوا ہے تیرا عشق میری نس نس میں
میں اس غبار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

موئی کو غصہ آیا اور جی بھر کے آیا۔ رانیہ کے دو غلے پن پر یا بزدلی پر جو بھی کہا جائے وہ موئی کے ساتھ زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی اور یہ اس نے موئی کو اول روز ہی باور کرا دیا تھا۔ چند ثانیوں تک وہ کمرے کے وسط میں کھڑا آنکھوں پر چوڑیوں سے سجا بازو رکھے بے سدھ سوئی رانیہ کو کینہ پرور نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ کبھی یہ لڑکی اس کی سب سے اچھی اور بے لوث دوست ہوا کرتی تھی۔ جانے یہ ریاکاری اور دکھاوا اس نے کہاں سے سیکھ لیا تھا اور اب آئندہ وہ کیا انداز دکھانے والی تھی؟ لائٹ بند کر کے اس نے ڈم لائٹ آن کی اور کپڑے تبدیل کرنے کی غرض سے باتھ روم میں چلا گیا۔ زندگی کے اس دور کے متعلق موئی نے جب بھی کبھی سوچا تو سوچوں میں نرماہٹ سی در آتی۔ وہ اپنی شادی شدہ زندگی کو بہت رومینٹک طریقے سے گزارنا چاہتا تھا۔ کسی ایسی لڑکی کے ساتھ جسے وہ جی بھر کر چاہتا اور وہ فقط اسے چاہتی۔ اس کی سانس کے ساتھ سانس لیتی۔

زیاں کا شدید احساس اس کے دل میں کثافت بھرنے لگا۔ پچھلی زندگی تو گزر گئی اب جو دور شروع ہوا تھا وہ موت تک کا تھا اور پہلی ہی رات جو بے رخی چھائی تھی یقیناً اس سے آگے بھی واسطہ پڑنے والا تھا۔ وہ باہر نکلا تو ڈم لائٹ سے آنکھوں کو مانوس ہونے میں چند لمحے لگے۔ موئی نے غور کیا۔ کمرے میں سوائے فرش کے سونے کی اور کوئی جگہ نہ تھی اور فرش پر سونا اس کی نفاست پسند طبیعت کو قطعاً گوارا نہ تھا۔ چہ جائیکہ چادر ہی کیوں نہ بچھی ہو۔

"ٹھیک ہے جب اسے پروا نہیں کتنے ٹھاٹ سے سو رہی ہے۔ میرا تو پھر بھی یہ ذاتی بستر ہے۔" شانے جھٹکتا وہ آگے بڑھا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ مجال تھی جو رانیہ کی نیند میں ذرا سا بھی خلل پڑا ہو۔ وہ بہت سی بدگمانیاں اوڑھ کر سو گیا۔

❀ ❀ ❀

اگلی صبح روایتی صبح ہرگز نہ تھی کم از کم موئی کے لیے بالوں میں نرم انگلیوں کی سرسراہٹ اور پھر کسی نے اس کا شانہ زور سے ہلایا۔ موئی نے مندی آنکھوں سے ایک نظر رانیہ کو دیکھا اور کروٹ بدل لی۔

"صبح ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے جناب! خالہ جان ناشتے پہ انتظار کر رہی ہیں۔" وہ دوسری طرف

سے آکر اس کی طرف جھکتے ہوئے بولی تو یکلخت موسیٰ کو یاد آیا کہ زندگی کل سے ایک نیا موڑ لے چکی ہے۔ آج تو وہ کسی اور ہی حیثیت سے اس کے کمرے میں موجود تھی۔ ساری نیند پل بھر میں اُڑن چھو ہوئی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ رانیہ مسکراتے ہوئے چادر تہہ کرنے لگی۔

"آج پہلی بار اتنی جلدی اٹھے ہو ورنہ پورا اصطبل بیچ کے سوتے تھے۔" اس کا انداز پرانا تھا۔ وہی اپنا اپنا اور دوستانہ سا۔ مگر موسیٰ اس بھروسے میں اس کا ساتھ دینے کو تیار نہ تھا۔ وہ جواب دیے بنا بستر سے اترا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ چادر تہہ کرتی رانیہ کے ہاتھ سست پڑے اور ہونٹوں کی مسکراہٹ گم ہوگئی۔ کمرے کی حالت درست کرکے وہ کچن میں چلی آئی۔ جہاں خالہ جان ناشتے کی ٹرے تیار کررہی تھیں۔

"یہ آپ کیا کررہی ہیں؟ میں بس آنے ہی والی تھی۔" وہ بے ساختہ آگے بڑھ کے ٹرے اٹھانے لگی۔

"تمہارا کیا خیال ہے آج مہندی لگے ہاتھوں سے بھی یہی کام کراؤں گی؟" انہوں نے اسے ہاتھ تھام کر پیار سے روک دیا۔ وہ اپنی نئی پوزیشن کا خیال کرکے ذرا جھینپی۔

"میرے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ تو دنوں تک نہیں جاتا۔ اب اتنے دنوں مہمان بن کے تو نہیں بیٹھ سکتی میں۔"

"نہ سہی مگر آج تو ولیمہ ہے نا!" وہ مسکرائیں پھر پوچھنے لگیں۔

"موسیٰ اٹھ گیا ہے؟"

"جی......!" وہ پلیٹ کر ٹرے اٹھانے لگی۔ وہ اس کے تاثرات نہ دیکھ پائی تھیں۔

"ہم اکیلے ہی ناشتا کریں گے؟" اسے خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"زیبا کے تو گھر سے ناشتا آئے گا۔ دس تو بج چکے اب تم کب تک ایسے ہی بیٹھے رہیں۔ وہ دونوں جاگیں گے تو کرلیں گے ناشتا۔" انہوں نے خیال ظاہر کیا تو وہ محض سر ہلا کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف چل دی۔

امی کے آنے تک موسیٰ بھی آگیا۔ اس کے سلام کے جواب میں امی نے اسے خوب دعاؤں سے نوازا۔ رانیہ حسب عادت و معمول امی اور پھر موسیٰ کے لیے چائے مگ میں ڈالنے کے بعد موسیٰ کی پلیٹ میں ناشتے کے لوازمات رکھنے لگی۔

"رہنے دو۔" اخبار جھٹک کر سیدھا کرتے ہوئے وہ روکھائی سے بولا۔ "میں صرف چائے لوں گا۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری ناشتا کیوں نہیں کر رہے؟" امی نے فکر سے پوچھا۔ مگر جسے پوچھنا چاہیے تھا وہ اب اپنے لیے ناشتا پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

"بس ایسے ہی موڈ نہیں ہو رہا۔" وہ اخبار کے پیچھے گم ہوگیا۔ ناراض اور سنجیدہ سا۔ امی نے حیرت سے رانیہ کو دیکھا وہ یوں ناشتا کرنے میں مگن تھی جیسے آج کا دن کوئی خاص دن نہ ہو یا وہ وہی پہلے والے موسیٰ اور رانیہ ہوں۔ مگر نہیں......!

اگر وہ پہلے والی رانیہ ہوتی تو اب تک موسیٰ کے ہاتھ سے اخبار چھین کر لپیٹ لپاٹ دیتی۔

"ناشتے کے وقت دھیان سے ناشتا کیا کرو، کیسے ڈاکٹر ہو تم؟" وہ اس پر رعب ڈالا کرتی تھی۔ اور اب......؟

انہوں نے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ ڈائننگ ٹیبل پہ ان دونوں کی موجودگی کے باوجود چھائی خاموشی کچھ اور ہی کہانی بیان کررہی تھی۔ مگر اسی

وقت زیبا کے میکے سے اس کی شادی شدہ بہن اور کزنز ناشتا لے آئیں تو ان کا دھیان بٹ گیا۔

"دوسرا جوڑا کہاں ہے بھئی؟" مہرالنساء عرف مہرو جو کہ زیب النساء عرف زیبا کی بڑی بہن تھی آنکھیں نچا کر پوچھ رہی تھی۔ ساتھ کنواری کزنز جن میں خالہ اور ماموں زاد بہنیں تھیں ان کی ہنسی تھی۔ "ابھی تو وہ دونوں نہیں اٹھے۔" امی نے مختصراً جواب دیا۔

"ہاں ان کی نیندیں ہی پوری نہیں ہوئیں ابھی تک؟ میں دیکھتی ہوں جاکے۔" وہ مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کرتی انہیں اٹھانے چل دیں۔

"آپ تو دلہن لگ ہی نہیں رہیں۔" زیبا کی خالہ زاد نے رانیہ کو دیکھتے ہوئے آنکھیں پٹپٹائیں۔ تو وہ قدرے گڑبڑا گئی کہ اس بات کا اب کیا جواب دے مگر موسیٰ نے اخبار تہہ کرکے بڑے اطمینان سے کہا۔

"دلہن کے سر پہ دو سینگ ہوتے ہیں کیا؟" اب کے سب ہنسی تھیں۔ مگر پہلے پہلے والی اب بھی نہ ہاری۔

"بھئی بندہ تیار شیار ہو کے رہتا ہے شام تک یونہی سادہ سی گھومتی رہیں گی؟"

موسیٰ کا تو بحث کا پورا ارادہ تھا مگر رانیہ نے مختصراً بات ختم کردی۔

"مجھے یونہی اچھا لگتا ہے۔"

زیبا کی بہن اسے بھگا کر ہی لوٹی۔ ناشتے کی ٹیبل پر بھی زیبا کی آنکھوں میں نیند بھری تھی۔

"صبح صبح ناشتا لے کے پہنچ گئیں۔ فون کرکے پتا ہی کرلیتیں۔" اس نے جماہی لیتے ہوئے خود سے تین سال بڑی بہن کو ٹوکا۔

"تمہاری صبح تو شام تک نہ ہوتی۔" اس نے جواباً ٹوکا۔

"تو اب بھی نیند کہاں پوری ہوئی ہے۔" زیبا کے منہ پھٹ طبیعت تو تھی ہی مگر یہ بے باکی وہ بھی سب کی موجودگی میں امی تو بہانے سے آرام کرنے کا کہہ کر چلی گئیں۔ عیسیٰ جھینپی نظروں سے بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ زیبا کی کھلی ڈلی گفتگو اس کی کزنز کی ذومعنی ہنسی اور عیسیٰ کا وارفتہ انداز! رانیہ معذرت کرتی اٹھ گئی۔

"ناشتا تو کرلو۔" زیبا کو خیال آہی گیا۔

"ہم تو کرہی چکے تھے۔" وہ رکی نہ تھی۔

"لگتا ہے ان کی بھی نیند پوری نہیں ہوئی۔" با آواز بلند سرگوشی اور پھر دبی دبی ہنسی۔ موسیٰ اندر ہی اندر تلملایا۔

"تم تو ناشتا کرلو۔" عیسیٰ نے اسے متوجہ کیا۔

"آپ کیجیے مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔" وہ کرسی کھسکا کر اٹھتے ہوئے قصداً مسکرایا۔ مگر وہاں ان سب کی محفل اس قدر مکمل تھی کہ کسی کا بھی جانا انہیں محسوس نہیں ہوا تھا۔

وہ گاڑی لیے بے وجہ ہی سڑکوں پر پھرتا رہا۔

اب رنگ زندگی کیا ہوگا؟

فقط ایک ہی سوال ذہن میں گردش کررہا تھا۔ جانے کتنی دیر تک سڑکوں کی خاک چھاننے کے بعد وہ گھر لوٹا تو امی اس کی منتظر تھیں۔

"تم کہاں آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو؟" اسے دیکھتے ہی وہ ناراض ہونے لگیں۔

"کہیں نہیں تھا۔"

"مجھے تو سمجھ نہیں آرہی یہ ہو کیا رہا ہے۔ شادی والا گھر شادی والا لگ ہی نہیں رہا۔" وہ خفا تھیں۔

"میں تو کام سے گیا تھا۔" وہ سر کھجانے لگا۔ امی نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"آج کے دن کے لیے بھی کوئی کام رکھا تھا تم نے؟"

"بس ایسے ہی۔" وہ نادم سا ہوا۔

رانیہ نے چائے کا کپ لاکر امی کو تھمایا۔ موسیٰ کی نگاہ بے اختیار اس کی طرف اٹھی۔ صبح سادگی کا دعویٰ کرنے والی اس وقت گہرے فیروزی رنگ کے جھلملاتے کپڑوں میں دمک رہی تھی۔

"ٹائم ہی کتنا رہ گیا ہے فنکشن میں اور ابھی ان دونوں نے پارلر بھی جانا ہے' کون لے جائے گا؟ عیسیٰ صاحب تو ناشتے کے بعد جو سوئے تو پھر جاگے ہی نہیں کہ کوئی ارادہ پوچھا جائے' بمشکل زیبا کو اٹھایا کہ ایک آدھ گھنٹے وار آ گئی تھی۔"

امی کچھ کہہ رہی تھیں شاید...... وہ چونکا۔

"جی......!" اس کی "جی" کچھ سوالیہ تھی تو کچھ چونکنے والی۔ امی کو جی بھر کے اس کی غائب دماغی پر غصہ آیا۔

"شاباش! میں پتا نہیں کون سی حکایت سنا رہی ہوں اور یہ صاحب اپنے ہی خیالوں میں۔" وہ بھی خاصی ناراض ہوگئی تھیں۔

"اچھا نا میں ہی لے جاؤں گا دونوں کو پارلر۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں کہتا کمرے کی طرف بڑھا۔

"تم نے تو کھلی چھوٹ دے دی ہے اسے ذرا قابو کرکے رکھو۔ اس کے آس پاس رہو۔" امی کی دھیمی آواز کمرے تک سنائی دی۔ وہ رانیہ سے کہہ رہی تھیں۔ موسیٰ لب بھینچتا کمرے میں چلا آیا۔

❁ ❁ ❁

کچھ تھکاوٹ اور کچھ خالی بستر پر ملکیت کا احساس! وہ شاید نیند کے جھونکے کی زد میں آ گیا۔ ورنہ یہ سونے کا ٹائم تو ہرگز نہیں تھا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ وہ آج ولیمے کی تقریب کا دولہا نمبر دو تھا۔ اسے اپنی پیشانی پر کوئی لطیف سا لمس محسوس ہوا اور اس کے بعد بالوں میں سرسراہٹ......! وہ چونک کر کچی نیند سے بیدار ہوا تھا۔ لمحہ بھر کو ساکت سا لیٹا رہ گیا۔

اس کی نگاہ خود بہ خود بھی رانیہ کی نگاہوں سے ٹکرائی تو اسے جاگتا پا کر وہ جھینپی اور اس کے بالوں میں سے اپنا ہاتھ کھینچ کر سیدھی ہوگئی۔

"اٹھ جاؤ دیر ہورہی ہے پارلر لے جانے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔" فوراً ہی اسے جگانے کی وجہ بتائی۔

تھوڑی دیر اسے بہت اجنبی نگاہوں سے دیکھتے رہنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ اپنی پارلر ساتھ لے جانے والی اشیا اکٹھی کرکے بیگ میں رکھ رہی تھی۔ شولڈر بیگ میں زیور رکھ کر پلٹی تو موسیٰ کو عین اپنے پیچھے کھڑا پا کر ٹھٹک گئی۔ پھر فوراً ہی کترا کر سائیڈ سے نکلنے لگی تھی کہ موسیٰ کے ہاتھ نے اس کے بازو کو گرفت میں لے لیا۔

"پارلر سے دیر ہورہی ہے۔" وہ خائف سی ہو کر بولی۔

موسیٰ کی گرفت میں نا تو اپنائیت کا لمس تھا اور نا ہی محبت کی نرمی۔

"رومینٹک نہیں ہو رہا ہوں میں۔" اسے ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کرتے ہوئے وہ کوئی اور ہی موسیٰ تھا۔ کرخت اور سرد مہر......!

"اور نہ ہی اس ان چاہے رشتے میں رومینس کی گنجائش نکلتی ہے۔ جب دل کی رضا شامل نہ ہو تو ذہن میں کوئی اور نکاح میں کوئی اور ہو تو میاں بیوی کا رشتہ محض کاغذی کارروائی کہلاتا ہے۔ سمجھیں۔" پھنکارتا ہوا اجنبی لہجہ...... وہ اسے جھٹکتا واش روم میں گھس گیا۔

رانیہ ٹھٹھرے حواس لیے وہیں ساکت و جامد کھڑی تھی۔

❁ ❁ ❁

ولیمے کی تقریب گزری تو اس کے بعد دن تیزی سے معمول پر آئے مگر اس گھر کے نفوس جیسے اپنے معمول سے ہٹ گئے۔ عیسیٰ اور زیبا کی دعوتیں دیر سے ہونے لگیں۔ رانیہ گم سم سی تھی تو موسیٰ اجنبی اور لاتعلق! امی چند دنوں میں بوکھلا گئیں۔ عیسیٰ اور زیبا کسی دوست کے ہاں دعوت میں گئے تو امی کے ہاتھ موسیٰ کے کان کھینچنے کا موقع لگا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی......!" وہ اس کی پلیٹ میں سالن ڈالنے کو بڑھتی رانیہ کو ہاتھ اٹھا کر روکتے ہوئے مختصر بولا اور پھر اپنے لیے خود سالن نکال لیا۔ انہوں نے موسیٰ کی یہ حرکت نوٹ کی تھی۔

"تو پھر موڈ خراب ہوگا؟" انہوں نے طنز کیا۔

موسیٰ نے نا سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"یہ کیا گھر کا ماحول بنا رکھا ہے تم لوگوں نے؟ بڑا ہے تو وہ اپنی دنیا میں گم ہوگیا ہے' ادھر تم ہو تو تمہیں جیسے گھر سے کوئی غرض ہی نہیں۔ اسپتال ہی کو گھر بنا لیا ہے۔ ماں تو ماں' نئی نویلی دلہن کا بھی کوئی خیال نہیں۔"

(امی کا خیال تو گھر آنے سے روکتا ہے)۔

موسیٰ نے لب بھینچے۔

"بھائی کہاں ہیں؟"

"اس کے کسی دوست کے ہاں دعوت تھی۔" انہوں نے بتاتے ہوئے جتلا بھی دیا۔ "ایک وہ ہے کہ جس کی دعوتیں ختم نہیں ہورہیں اور ادھر تم ہو' مجال ہے جو کسی دعوت کے لیے ہامی بھری ہو۔ پتا نہیں کیا غلط فیصلہ کردیا ہے میں نے۔"

"اف او امی جان! یہ تو بس چند ایمرجنسی کیسز کی وجہ سے لگاتار ڈیوٹی دینا پڑی۔ ایک ڈاکٹر چھٹی پر تھا مگر اب آپ بے فکر رہیں اگلے چار دن بالکل فارغ ہوں میں۔ لے جاؤں گا آپ کی بہو رانی کو گھمانے۔" اس نے جلدی سے امی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی سعی کی لفظ 'بہو رانی' میں جو طنز چھپا تھا اسے رانیہ نے شاید پالیا' تبھی ایک نگاہ موسیٰ کے چہرے پر ڈالی۔ اب تو اس کے چہرے پر عجیب سا بیگانہ پن نظر آتا تھا۔ یہ دوست چہرہ کس قدر اجنبی اور پرایا ہوگیا تھا وہ بھی اس قدر قریبی رشتا بندھنے کے بعد۔

امی فوراً غصہ بھول کر پرجوش ہوئیں۔

"خدا بھلا کرے تمہارا' تو پھر اپنی خالہ کا گلہ دور کردو۔ کل اسلام آباد کا چکر لگالو چار دن کے لیے۔ تفریح بھی ہوجائے گی اور عذرا آپا کی ناراضگی بھی دور ہوجائے گی کہ اتنی مرتبہ دونوں بھائیوں کی دعوت کی مگر کوئی نہیں پہنچا۔"

موسیٰ چیں بہ جبیں ہوا۔

"مکمل چھٹی تھوڑی ہے۔ بس اگلے چار دنوں میں کام کا بوجھ کچھ کم ہے اور ایمرجنسی کا کیا ہے' کبھی بھی آسکتی ہے۔"

"اللہ خیر کرے گا' جس ڈاکٹر کے حصے کی ڈیوٹی دیتے رہے ہو چار دن وہ تمہاری نبھالے گا۔ تم نے تو شادی کے لیے بھی محض اڑھائی چھٹیاں لی تھیں۔" وہ اطمینان سے کہتی موسیٰ کا سکون غارت کرگئیں۔

بھلا ان دونوں کے مابین یہ 'ہنی مون ٹائپ' کا تعلق کہاں سے تھا کہ اسلام آباد کے رومینٹک ٹور پر جاتے۔

"نہیں نہیں! ہم دونوں یہیں گھوم پھر لیں گے خالہ کی ناراضگی دور کرنے کے لیے بھائی اور بھابی کو بھیج دیں۔" وہ بدکا۔

"وہ تو کبھی نہ نکلیں۔ مگر شادی سے لے کر ابھی تک وہ چھٹیوں پر چھٹیاں کیے جارہا ہے۔ پرائیویٹ نوکری ہے باوا کا آفس تو نہیں کہ کوئی لات مار کے باہر نہ کر دے گا۔ اسے تو میں بھٹک بھی پڑنے نہیں دوں گی۔" وہ قطعیت سے بولیں تو موسیٰ نے بے اختیار پہلو بدلا۔

"خالہ کو میں منا لوں گا امی اسیر اہاؤس جاب مکمل ہونے میں ایک آدھ مہینہ رہ گیا ہے۔ پھر فارغ ہی فارغ ہوں۔ پھر لمبا چکر لگائیں گے۔" ہلکے پھلکے انداز میں انہیں مطمئن کرنا چاہا مگر انہوں نے اسی قطعی لہجے میں کہا۔

"میں نے کہہ دیا تو بس سمجھو پکا ہو گیا بعد میں جتنے لمبے چکر چاہو لگا لینا۔ مگر یہ چار دن تو میں نے طے کر لیے ہیں۔"

"یا اللہ......!"

موسیٰ کا جی چاہا اپنے بال نوچ لے۔ اس نے سنجیدگی سے کھانا کھاتی رانیہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا امی کی بات ٹالنے کا مطلب ہے ان کی ہر ناشکی مول لینا اور اسی سے بچنے کے لیے تو اس نے شادی کے لیے ہامی بھری تھی۔ وہ بددلی سے روٹی کا لقمہ توڑنے لگا۔

"سردی تو یہاں لاہور میں بھی کافی ہے۔ مگر اسلام آباد میں تو صحیح معنوں میں سردی شروع ہو چکی ہے۔ اپنے خوب گرم والے کپڑے اور سوئٹر جرسیاں رکھ لینا ساتھ۔" امی کھلتے لب و لہجے میں رانیہ کو نصیحت کر کے موسیٰ سے مخاطب ہوئیں۔ "ویسے اگر تم چاہو تو ان چار دنوں میں مری کا چکر بھی لگ سکتا ہے۔" موسیٰ تحمل کر رہ گیا۔

"ہاں! تب تو عذرا خالہ ناراض نہیں ہوں گی نا؟" وہ کھسیا گیا۔

"ہاں ٹھیک چلو ٹھیک ہے پھر کبھی۔" موسیٰ سر جھٹک کر رہ گیا۔ دل ہی دل میں وہ خود کو کوس رہا تھا جس نے اگلے چار دن کی فراغت کا یوں ہانک دل اعلان کیا تھا کہ گویا اوکھلی میں ہی سر دے دیا تھا۔

❁ ❁ ❁

برتن دھو کر کچن سمیٹنے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو موسیٰ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ اضطرابی انداز میں مسلسل ہلنے والا پاؤں اس کے اضطراب کی نشاندہی کر رہا تھا۔ اتنا تو وہ بھی اسے جان ہی گئی تھی۔ وہ سفری بیگ لے کر الماری میں سے کپڑے نکال کر اس میں رکھنے لگی۔

"سادہ سے ہی کپڑے رکھنا ہنی مون ٹور نہیں ہے یہ۔" کٹیلا سا لہجہ۔

"ہنی مون ٹور ہوتا تب بھی سادہ سے ہی رکھتی۔" وہ بدستور کپڑے تہہ کرتے ہوئے آرام سے کہتی موسیٰ کا ضبط آزما گئی۔

"تم منع بھی تو کر سکتی تھیں امی کو۔" وہ اس پر جھنجلایا۔

"تم نے کیا تو تھا میرے کہنے سے کیا فرق پڑتا؟" وہ اپنے مخصوص بے نیازانہ موڈ میں تھی۔ وہی موڈ جس میں آ کر وہ کبھی عینی رضا کو کھرے جواب دیتی تھی تو موسیٰ اس کی خوب ہی پشت تھپ تھپاتا تھا۔ مگر آج اس کا یہ موڈ اسے تپا گیا تھا۔

"اس سے کم از کم مجھ پر یہ بات واضح ہو جاتی کہ تمہیں میرے ساتھ ایسے ٹورز پر جانے کی کوئی حسرت نہیں۔" وہ سلگ کر بولا۔

وہ بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

"ہو سکتا ہے مجھے کوئی اعتراض نہ ہو۔" اس کے الفاظ نے جادو اثر کیا۔ خون کی گرم لہر موسیٰ کے دماغ

میں دوڑ اٹھی۔ آنچل کریڈ سے اترتے ہوئے وہ اس کے مقابل آ گیا تو وہ جو بیگ بند کر کے سیدھی ہی ہوئی تھی ٹھٹک گئی۔

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ تمہیں کیوں اعتراض نہیں؟" عجیب سا لہجہ اور اس سے بھی زیادہ عجیب الفاظ اس قدر قریب وہ پہلی بار کھڑا ہوا تھا۔ اتنے قریب کہ اس کے کپڑوں سے اٹھتی لوشن کی خوش بو رانیہ کے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ موسیٰ نے ان گھبرائی دہشت زدہ آنکھوں کو پہلی بار اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ انہی لمحوں میں اسے محسوس ہوا کہ اس کی سیاہ آنکھیں چمک دار اور شفاف تھیں اور یہ کہ اس کی صبیح پیشانی کا حسن اس کے بالوں کی سیدھی مانگ بڑھا رہی تھی اور اس پیشانی اور ان آنکھوں سے تھوڑا ہی نیچے اتریں لب۔

"میں اس بندھن میں اپنی مرضی سے بندھی ہوں۔" اس کی قربت سے اگر وہ خائف بھی تھی تو اس نے موسیٰ کو اندازہ نہیں ہونے دیا تھا۔ مگر موسیٰ کو تو ان لمحات میں وہ اپنے حواس پر چھائی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ بری تو وہ موسیٰ کو پہلے بھی نہیں لگی تھی مگر پہلے پسندیدگی کا پیمانہ کچھ اور تھا اور اب کی یہ قربت...... وہ اسے اپنے حواس سے جھٹکنا چاہتا تھا بھی تلخی سے بولا۔

"کیونکہ تم اس گھر سے جانا نہیں چاہتی تھیں۔" وہ چند ثانیوں تک خاموش رہی اور اتنے عرصے تک موسیٰ اپنا ضبط آزماتا رہا۔

اس نے خفیف سی پلکیں اٹھا کر موسیٰ کو ایک نظر دیکھا پھر بولی تو اس کی آواز کی لرزش موسیٰ سے چھپی نہیں رہ سکی۔

"ہاں یہ سچ ہے۔"

موسیٰ خاموش تھا۔ اس موضوع پر کچھ بھی کہنا اسے اپنی توہین کے مترادف لگتا تھا۔ مگر اس کے تاثرات ایک ہی سوال پوچھ رہے تھے۔

"کیوں......؟"

"اس گھر میں میرا ایک بہت اچھا دوست بھی رہتا تھا۔" وہ شاید جتا رہی تھی۔ موسیٰ کے برے رویے کو۔ مگر اس کے الفاظ نے موسیٰ کو ایک دم سے ٹھنڈا کر دیا۔ سارا غصہ سارا ابال لمحہ بھر میں پانی کے جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ واقعی کبھی ان دونوں کے مابین بہت اچھی دوستی ہوا کرتی تھی اور وہ اسے عینی کے ناپ کی لڑکی بنانے کے لیے خوب خوب مشورے دیا کرتا تھا۔ مگر اس سے شادی کی رضامندی بھی تو خود ہی دی تھی۔ چاہے اپنی ماں کا مان بڑھانے ہی کو سہی۔ وہ تو انکار کرنے کی پوزیشن میں تھا پھر اب کاہے کا غصہ؟ وہ بہت ٹھنڈا ہو کر پلٹا اور بستر پر اوندھے منہ گر سا گیا۔ تکیے میں منہ دیے وہ گویا ساری دنیا سے ناراض تھا۔ چند لمحوں تک اسے دیکھنے کے بعد رانیہ سفری بیگ نکال کر اس میں موسیٰ کے کپڑے رکھنے لگی۔

❁ ❁ ❁

صبح وہ ناشتے کے بعد گھر سے نکلے مگر عینی اور زیبا چونکہ اٹھے نہ تھے اس لیے ان سے ملاقات نہ ہو پائی۔

"رات بھی اتنی دیر سے آئے میں تو سونے جا چکی تھی۔ اپنی چابی سے دروازہ کھول کے آئے تھے اندر دونوں۔" امی نے موسیٰ کو بتایا۔

"پھر تو انہیں ہمارے پروگرام کا بھی پتا نہیں ہوگا۔"

"تم آرام سے جاؤ میں بتا دوں گی انہیں۔ ویسے بھی وہ دونوں گھر میں ٹکیں تو ہی پچھتاتا پتا ہوتا انہیں۔" وہ اطمینان سے بولیں پھر مشورہ دیا۔

"عیسیٰ کی گاڑی لے جاؤ' اتنا لمبا سفر ہے۔"

"نہیں شہر میں جانا ہوتا تو اور بات تھی۔ شہر سے باہر وہ بھی تین چار روز کے لیے انہیں بھی تو ضرورت پڑ سکتی ہے چچی۔" موحد نے فوراً ہی انکار کر دیا۔ پھر انہیں مطمئن کیا۔

"کرائے کی گاڑی لے کے جا رہا ہوں۔ ڈرائیو خود کروں گا۔"

اور اب انہیں امی کی دعائیں سمیٹ کر نکلے آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا۔ جب زیبا جماہیاں لیتی کچن پر آ بیٹھی۔

امی وہیں دوپہر کے کھانے کے لیے سبزی بنا رہی تھیں۔

"عیسیٰ نہیں اٹھا ابھی......؟"

"وہی تو اٹھے تھے۔ مجھے تو بعد میں انہوں نے ہی جگایا ہے۔" وہ خفا سی تھی شاید "جلدی" اٹھائے جانے پہ۔

"ناشتا کر لیا ہو گا اس نے۔"

"آج آفس جانا تھا اب تو کافی لیٹ ہو گئے ہیں۔" وہ ناگواری بلکہ بے زاری سے بولی تو تیز قدموں سے اس طرف آتا عیسیٰ طنز سے بولا۔

"یہ بھی تمہاری ہی مہربانی ہے' ڈیڑھ گھنٹے سے الارم بج رہا تھا مگر تم نہیں اٹھیں۔"

"جانا تم نے تھا تم اٹھتے' کیوں چچی جان۔" زیبا نے ان کی حمایت چاہی مگر وہ خاموش رہیں۔

"اچھا امی جی! میں چلتا ہوں۔"

"ناشتا تو کر لو۔"

"آفس میں ہی کر لوں گا آج تو باس کی ڈانٹ بھی پکی ہے۔" وہ ان کے سامنے جھک کر سر پہ ہاتھ پھرواتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی منہ بسورتی زیبا کو دیکھ کے مسکرایا تو وہ بھی کھل کے مسکرا دی۔

"ناشتا بنا دوں تمہارے لیے؟ اب تو دس بجنے والے ہیں۔" عیسیٰ کے جانے کے بعد امی نے پوچھا تو وہ بے دلی سے بولی۔

"ابھی تو دل نہیں چاہ رہا۔" وہ سر ہلا کر مٹر چھیلنے لگیں۔

"موحد اور رانیہ نہیں اٹھے ابھی؟" زیبا کو رانیہ دکھائی نہ دی تھی ورنہ موحد تو ان لوگوں کے اٹھنے تک اسپتال جا چکا ہوتا یا پھر جانے والا ہوتا۔

"اٹھے کیا! وہ تو اسلام آباد کے لیے نکل بھی چکے۔" انہوں نے مٹر کے دانے پیالے میں ڈالتے ہوئے آرام سے کہا تو زیبا کی نیند اڑن چھو ہو گئی۔

"اسلام آباد......؟"

"یعنی ہنی مون؟" اسے سب سے پہلا یہی خیال آیا۔

"ہاں میں نے ہی کہا تھا پروگرام بنانے کو۔ کب سے عذرا آپا اصرار کر رہی تھیں۔" انہوں نے بتایا۔

"اصرار تو وہ ہمارے لیے بھی کرتی تھیں۔" زیبا کا لہجا یوں آپ ہی آپ تیکھا سا ہو گیا۔ جسے انہوں نے محسوس بھی کیا تو نظر انداز کرتے ہوئے آرام سے بولیں۔

"اب بھی اکیلے تو گھر سے نہیں جا سکتے تھے نا! آج وہ چلے گئے کبھی تم دونوں چکر لگا لینا۔ بلکہ میں بھی اسی بہانے ہو آؤں گی۔"

"ہنہ!" زیبا نے سر جھٹکا اور تمسخر سے سوچا۔

"اب ساس کے ساتھ ہنی مون پہ جاؤں گی۔ اتنے ہی حالات خراب ہیں نا میرے؟"

"گاڑی تو عیسیٰ کی ہی لے گئے ہوں گے' تب ہی ہمیں یہاں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔" پھر وہی تیکھا اور حق جتاتا لہجہ۔

اب کی بار انہوں نے باقاعدہ زیبا کی طرف دیکھا۔ پر غرور اور بڑا اجنبی سا انداز تھا اس کا۔ پھر نرمی

سے بولیں۔

"اتنی عقل تو ہے اس میں...... کرائے کی گاڑی لے کر گیا ہے۔ چار دنوں کے لیے۔"

"بڑی راز داری سے پروگرام بنایا ہے دونوں نے۔" اس کی مسکراہٹ میں طنز تھا۔ جسے وہ خوب سمجھیں۔

"رات تم دونوں لیٹ تھے ورنہ رات کھانے پر ہی پروگرام بنا تھا اور صبح تو یہاں بھی تم لوگ دیر سے اٹھتے ہو' ان سے ملاقات کیا ہو پاتی۔" انہوں نے اپنے لب و لہجے کو تلخی سے پاک ہی رکھا تھا۔ زیبا کی طبیعت سے وہ اچھی طرح واقف تھیں۔ اس کی ماں کے ساتھ انہوں نے بارہ سال گزارے تھے اور پھر بیٹیاں ماؤں ہی کا پرتو ہوا کرتی ہیں۔ عموماً زیبا بھی ماں جیسی طبیعت کی مالک تھی۔

"میٹھا لازمی بنایا کریں چچی جان! مجھے تو عادت ہے کھانے کے بعد سویٹ ڈش کی۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ امی کو تاسف نے گھیرا۔

ساس بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں اور بہو نے ایک مرتبہ جھوٹے منہ بھی نہ کہا تھا کہ مدد کر دوں۔ انہیں شدت سے رانیہ کی یاد آئی جو اپنے ولیمے والے روز بھی گھر داری سنبھال چکی تھی۔ ان کے دل سے بے ساختہ اس کے اچھے نصیب کی دعا نکلی۔ موحد کے تیور انہیں بدلے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ اسی لیے بہانے سے ان دونوں کو موقع دیا تھا کہ قریب رہ کر دلوں کی کدورت دور کر لیں۔ ادھر زیبا نے کمرے میں جاتے ہی ماں کا نمبر ملایا اور ادھر کی ساری رپورٹ مع تبصرہ دینا شروع کر دی۔

لاہور سے گجرات تک کا سفر تو ٹھیک ہی گزرا۔ موحد نے بڑی خاموشی سے ڈرائیونگ کی اور رانیہ جیسے لاہور تا اسلام آباد شہری آبادی پر تحقیق کرنے کے لیے مسلسل کھڑکی سے باہر کا جائزہ لے رہی تھی۔ مگر گجرات سے نکلتے ہی موسم نے اچانک ہی پلٹا کھا لیا۔ لالہ موسیٰ سے جو ہلکی ہلکی پھوار پڑنا شروع ہوئی تو کھاریاں تک پہنچتے اس نے موسلا دھار بارش کا روپ دھار لیا۔

وسط دسمبر میں موسم سرما کی پہلی بارش!

موحد کو ڈرائیونگ میں مشکل ہو رہی تھی۔ رانیہ کا دل گھبرانے لگا۔

"کہیں گاڑی روک دو۔" ڈھائی گھنٹے کی ڈرائیونگ کے درمیان یہ پہلا جملہ تھا جو اس نے موحد کو مخاطب کر کے ادا کیا۔

"ایسے ہی تو کہیں بھی نہیں روک سکتا نا!"

"موسم خراب ہو رہا ہے اتنی تیز بارش میں پتا نہیں تم ونڈ اسکرین کے پار کیسے دیکھ رہے ہو' یا اندازے سے ہی گاڑی چلا رہے ہو۔" وہ خفا سی بولی تو لب و لہجے میں خوف بھی تھا۔ موحد کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"یہ تو صحیح کہا تم نے۔"

"یا اللہ!" رانیہ نے لرز کے اسے دیکھا۔ گاڑی کی رفتار کم تھی اور اسکرین پر وائپر مسلسل چل رہے تھے۔ مگر بارش اتنی تیز تھی کہ پانی دبیز تہہ کی صورت اسکرین پر چلنے لگتا تھا۔

"ایسے موسم کو تو انجوائے کرنا چاہیے۔" موسم کے بگڑنے کی پریشانی تو موحد کو بھی ہو رہی تھی مگر شاید موسم کی تبدیلی ہی نے اس کا موڈ بھی کچھ تبدیل کر دیا تھا۔

"وہ تو گھر میں نا! بلکہ تمہیں تو پتا ہے میرا! میں تو بجلی وغیرہ چمک رہی ہو تو بھی کمرے سے نکلتی ہی نہیں۔" وہ روانی سے بولی۔

"چلو فی الحال تو بجلی نہیں چمک رہی۔" موحد نے

اسے تسلی دی۔ مگر جہلم پہنچ کر یہ خام خیالی بھی دور ہوگئی۔ موسم کے تیور بگڑے تو بگڑتے ہی چلے گئے۔ گرج چمک کے ساتھ وہ بارش برسی کہ مسلسل وائپر چلانے سے بھی ونڈ اسکرین سے پانی کی دھاریں نہ ہٹی تھیں۔ موحد سے گاڑی چلانا محال ہوگیا۔ اس نے دریائے جہلم کے کنارے بنے شاندار ہوٹل ”ٹیولپ“ کی پارکنگ میں گاڑی روکی۔ رانیہ کو دیکھا وہ اب باقاعدہ دونوں پاؤں سیٹ پر کیے گھٹنوں میں منہ دیے یقیناً قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی۔ اتنی نازک صورت حال کے باوجود موحد کو ہنسی آنے لگی۔ گاڑی رکنے پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ موحد اس کی طرف متوجہ تھا۔ خجالت کے مارے اس نے جلدی سے پاؤں نیچے کیے۔ ”مجھے ڈر لگ رہا تھا کہیں بجلی نہ گر جائے۔“

”کھانے کا بھی ٹائم ہو رہا ہے اور اسی بہانے کچھ دیر ہوٹل میں ٹھہر جائیں گے۔ شاید تب تک بارش تھم جائے۔“

”باہر تو بارش ہو رہی ہے۔ پارکنگ میں تو شیڈ بھی نہیں کہ بارش سے بچا جاسکے۔“ سیاہ بادلوں کی چادر کو چیر کر چمکتی کڑکتی بجلی سے خوفزدہ ہو کر وہ منمنائی۔

”کم آن یار اب کھانا یہاں آنے سے رہا۔ باہر دیکھو اتنی ٹھنڈ میں بھی لوگ باربی کیو کے لیے بیٹھے ہیں۔“

واقعی باربی کیو کاؤنٹر کے آگے بنے گول شیڈز کے نیچے کتنی ہی میزیں زندہ دلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ موحد کے ہمت بندھانے پر وہ بمشکل گاڑی سے باہر نکلنے پر راضی ہوئی مگر پارکنگ سے لے کر ہوٹل کے داخلی دروازے تک پہنچتے پہنچتے وہ دونوں کافی بھیگ گئے۔ پستہ قامت باوردی ڈور کیپر نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور وہ موحد کے ساتھ ہوٹل کے وسیع و عریض ہال میں داخل ہوئی تو لڑکھڑا سی گئی۔ موحد نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام کر سہارا دیا۔ اسی وقت لمبے سیاہ بالوں والی پیاری سی اٹینڈنٹ ان کے پاس آئی اور انہیں اپنی معیت میں ایک خالی ٹیبل تک لے گئی۔ وہاں پہنچ کر موحد نے اس کا ہاتھ چھوڑا تو وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ ایک تو پہلی مرتبہ ہوٹل میں آنے کا اتفاق ہوا تھا اوپر سے بارش نے بھگو کر حلیہ بھی عجیب سا کر دیا تھا۔ ہال میں ہیٹر کی گرمائش نے اعصاب کو پرسکون کیا۔ موحد ویٹر کو آرڈر لکھوا رہا تھا۔ ان کی نشست شیشے کی دیوار کے پاس تھی جہاں سے نیچے بہتا دریائے جہلم صاف دکھائی دے رہا تھا۔

”بارش تو رکتی نہیں لگ رہی۔“ موحد کی آواز پر وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”اسلام آباد پہنچنے میں تو کافی ٹائم لگ جائے گا۔“ وہ بولی۔

”خیر ایسے موسم میں تو اب سفر ہو بھی نہیں سکتا۔“ وہ کہنیاں ٹیبل پر ٹکائے ہال میں موجود لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ رانیہ پریشان ہوگئی۔

”تو پھر کیا کریں گے گاڑی میں ہی رات گزارنی پڑے گی؟“ موحد کو ہنسی آگئی۔

”بے وقوف اب اتنی بھی کیا غریب الوطنی ہے کہ گاڑی میں رات گزارنی پڑے۔“

”تو.....؟“

”تو یہ کہ یہیں کھانا کھائیں گے اور یہیں رات گزارنے کے لیے کمرا لیں گے۔“ اطمینان سے بولا۔

”اُفوہ ایسے ہی پروگرام بنالیا آج لاہور میں تو مطلع بالکل صاف تھا۔“ وہ خفت زدہ سی بولی۔

”یہ جہلم ہے۔“ موحد نے اسے یاد دلایا تو وہ گہری سانس کھینچ کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

گیلے کپڑوں اور بالوں کی وجہ سے ٹھنڈ محسوس ہو رہی تھی۔

”میرے خیال میں پہلے روم بک کروا لوں گیلے کپڑے بھی چینج کرلیں گے اس کے بعد کھانا کھالیں گے۔“ موحد اسے خود میں سمٹتے دیکھ کر متفکر سے بولا۔ جانتا تو تھا ہی کہ کتنی نازک ہے اور موسم کی سختی اس پر کیسا برا اثر ڈالتی ہے۔ وہ اٹھ کر استقبالیہ کی طرف بڑھا تو رانیہ کی نگاہ اس کے ساتھ تھی۔

ان کی خوش قسمتی تھی کہ اس مصروف ترین ہوٹل میں انہیں کمرا مل ہی گیا۔ ہیٹر لگے کمرے کے پرسکون اور حدت آمیز ماحول نے سرد ہوتے اعصاب کو قدرے پرسکون کیا۔ موحد گاڑی میں سے بیگ لے آیا تھا۔ رانیہ پہلے کپڑے تبدیل کر کے آئی پھر موحد نے کپڑے تبدیل کیے۔ کپڑے تبدیل کر کے نکلا تو رانیہ بیڈ روم چیئرز ہیٹر کے قریب بچھائے تولیے کے ساتھ بالوں کو خشک کر رہی تھی۔ موحد نے عذرا خالہ کو فون کر کے ساری صورت حال بتادی اور ساتھ ہی امی کو بھی بتادیا۔ فون بند کرتے ہوئے وہ پلٹا تو ٹھٹکا۔ رانیہ شیشے کی دیوار کا پردہ سرکا کر باہر جھانک رہی تھی۔

”اتنی سردی ہے سوئیٹر تو پہن لو۔ سوں سوں کر رہی ہو۔“ وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ رانیہ کا دل ایک دم سے اچھلا۔ وہ نیچے وسیع لان کے پرے بہتے دریائے جہلم کو تاریکی میں کھوج رہی تھی۔

”کمرے میں تو ٹھنڈ نہیں ہیٹر لگا ہوا ہے۔“ اس نے بے پروائی دکھائی۔ مگر پھر ایک چھینک اور اس کے بعد لگاتار چھینکیں۔ موحد نے اس کا بازو تھام کر اسے اپنی طرف موڑا۔

”اتنی چھینکیں کسی کے یاد کرنے سے نہیں آتیں۔ چلو سوئیٹر پہنو اور کمبل میں لیٹو۔“ رانیہ کو ہنسی آگئی۔

”اچھے ڈاکٹر ہو تم تو خود مریضہ کو ڈرا رہے ہو اور فائدہ کیا ہوا بھلا گھر والے کے ڈاکٹر ہونے کا؟“ وہ بے ساختہ بولی پھر شپٹا کر موحد کو دیکھنے لگی۔ مگر موحد تو اس کی شفاف ہنسی کے حصار میں جکڑا کھڑا تھا۔

”ابھی تو کھانا کھانے جانا ہے لیٹنے کا ٹائم تو نہیں۔“ رانیہ نے جلدی سے کہا تو وہ یک لخت ہی حواس میں لوٹا۔ اس کا بازو فوراً چھوڑ کر پیچھے ہٹا۔

”ہاں کھانا۔“ وہ خفیف سا تھا۔ شاید اپنی بے خودی پر۔

”سردی کافی بڑھ گئی ہے کھانا روم سروس سے منگوا لیتے ہیں۔“ وہ اس سے نظریں چراتا انٹرکام کی طرف بڑھا۔

”تم نے کوئی خاص ڈش منگوانی ہے تو بتاؤ؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”نہیں ایسی کوئی خاص تو نہیں۔ وہ فنگر فش کہتے کہتے رک گئی۔ مگر انٹرکام پر آرڈر دیتے ہوئے موحد نے فنگر فش کا بطور خاص آرڈر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے موسم میں رانیہ کو فش بہت پسند تھی۔ آدھے گھنٹے کے اندر کھانا ان کے کمرے میں تھا۔ چھوٹی سی میز پر ویٹر نے برتن سیٹ کر دیے۔

”آدھے گھنٹے تک گرین ٹی لے آنا۔“ موحد نے اسے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا چلا گیا۔ دونوں نے روم چیئرز سنبھال لیں۔ رانیہ نے عادتاً اس کی پلیٹ میں سالن نکالنا شروع کیا پھر ایک دم سے اسے دیکھا اور شپٹا کر چمچ ڈونگے ہی میں رکھ دیا۔ موحد نے بھنویں اچکائیں۔

”کیا ہوا؟“ گویا اسے یاد نہیں تھا کہ اس دن وہ رانیہ کو اپنی پلیٹ میں سالن نکالنے سے منع کر چکا ہے۔

”شاید تم خود ڈالنا چاہو۔“ وہ کترائی ہوئی بولی۔

"ڈال دو۔" موئی پھڑک کر بولا۔ شاید اسے یاد آ گیا تھا پھر رسان سے بولا۔

"شاید مجھے اپنا دوستی والا رشتہ یاد رکھنا چاہیے۔" لب بھینچتے ہوئے رانیہ نے دوبارہ سے چمچ پکڑا اور اس کے لیے سالن ڈالنے لگی۔

"تم فش لو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" موئی نے اسے کہا۔ تو وہ بے دلی سے مچھلی کا ٹکڑا لے کر اس کے نوالے توڑنے لگی۔ موئی نے نوٹ کیا اس نے بہت بے دلی سے کھانا کھایا تھا۔ ویٹر گرین ٹی لے کر آیا تب تک وہ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ کھانے کے برتن بھجوا کر ان دونوں نے چائے پی اور اس دوران موئی کی نگاہ بھٹک بھٹک کر رانیہ کے چہرے کی جانب اٹھی۔

"تم نے کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ چائے کا مگ ہاتھ میں لیے دوسرے ہاتھ کی انگلی اس کے کنارے پر پھیرتی گم صم سی لگ رہی تھی۔ موئی نے شاید اس منجمد خاموشی سے گھبرا کر بات شروع کی تو وہ چونکی۔

"ہوں، ہاں ٹھیک ہوں میں۔"

"کوئی مسئلہ ہے؟"

رانیہ نے ایک شکوہ کناں سی نگاہ اس پر ڈالی۔

"میں تو خود شاید ایک مسئلہ بن چکی ہوں تمہارے لیے۔" پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا یہ جملہ بہت اچانک تھا۔ موئی اس جملے کے لیے تیار نہ تھا۔ گڑبڑا سا گیا۔

گہری سانس بھرتے ہوئے رانیہ نے وزدیدہ نظروں سے خاموش بیٹھے موئی کو دیکھا۔

"جسے شاید تم بھی حل کرنا نہیں چاہتے۔"

"میں.....! میں حل نہیں کرنا چاہتا؟" وہ جیسے صدمے کی گرفت میں آیا۔

"شادی دلوں کا سودا ہوتی ہے محترمہ اور میں نے تم پر پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ دل میں کوئی اور اور نکاح میں کوئی اور والی زندگی میں نہیں گزار سکتا۔"

"تو پھر تم نے یہ شادی کیوں کی؟ خوامخواہ کا بوجھ لاد لیا اپنے سر پر۔" وہ تلخ ہوتے ہوئے خالی مگ ٹیبل پر رکھ کر اٹھ گئی۔

موئی کو اس کی بات بہت چبھی۔

"بعض اوقات کسی پیارے کی خوشی کی خاطر ان چاہے بوجھ بھی ڈھونے پڑتے ہیں۔"

تکیہ ٹھیک کرتے رانیہ کے ہاتھ اس کی تلخ نوائی پر ٹھٹکے پھر وہ مزید کچھ بولے بغیر سویٹر اتار کر کمبل میں گھس گئی۔ موئی کا جی چاہا اسے کمبل سے نکال کر جھنجوڑ کر رکھ دے۔

اس کی پوری زندگی کو ڈسٹرب کر کے وہ کتنی مطمئن و پرسکون تھی اور اس پر مستزاد وہ خود پر کوئی الزام لینے کو بھی تیار نہیں تھی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب کسی عجیب سے احساس کے ساتھ موئی کی آنکھ کھلی۔ ڈم لائٹ میں پہلے تو اسے یہ سمجھنے میں وقت لگا کہ وہ ہے کہاں دوسرے ہی پل اپنا دایاں پہلو سلگتا محسوس ہوا تو اس نے بے اختیار اس طرف دیکھا۔ رانیہ اس کے بالکل پاس تھی اور دایاں پہلو سلگنے کی وجہ موئی کو فوراً ہی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے عجلت کہنی کے بل اٹھتے ہوئے اپنا ہاتھ رانیہ کی پیشانی پر رکھا تو وہ در حقیقت بخار میں جل رہی تھی۔

"اف خدایا.....!" وہ متفکر سا اٹھ گیا۔ اپنا ایمرجنسی بیگ وہ ساتھ ہی لایا تھا جس میں ضروری ادویات وہ ہمیشہ رکھتا تھا۔ اسے خیال آیا جس طرح رات بھیگنے کے بعد وہ چھینک رہی تھی۔ اسے سردی کی دوا دے دینی چاہیے تھی اس نے لائٹ آن کر کے اپنا بیگ نکال کر رکھا۔ ایک ٹیبلٹ اور کیپسول

نکال کر پانی کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے رانیہ کو شانے سے پکڑ کر ہلایا۔

"رانیہ..... رانیہ اٹھو یہ میڈیسن لے لو۔"

"ہوں.....!" بخار کی شدت اسے بے سدھ کر رہی تھی۔ پپوٹے بھاری اور آنکھیں کھلنے سے انکاری تھیں۔ موئی نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے اپنے شانے سے ٹیک لگا کر بٹھایا۔

"یہ میڈیسن لے لو شاباش! بہت تیز بخار ہو رہا ہے تمہیں۔" اس نے موئی کی ہتھیلی پر رکھی میڈیسن اٹھالی۔ موئی نے پانی کا گلاس اٹھایا۔ رانیہ نے میڈیسن منہ میں ڈالی تو اس نے پانی کا گلاس رانیہ کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ وہ سارا پانی پی گئی تھی۔

"اور پانی چاہیے؟" موئی نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا اور اس کے شانے سے ٹکا دیا۔ ذرا سی مشقت سے تھکاوٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ شاید پھر سے سو گئی تھی۔ موئی نے ذرا سا جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے شانے سے ٹیک لگائے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی۔ موئی کے تمام حواس جاگنے لگے۔ بالکل ابھی ابھی اس نے رانیہ کے بالوں سے اٹھتی کسی اچھے سے شیمپو کی خوشبو محسوس کی تھی۔ اسے خیال آیا کہ اس کا ایک بازو رانیہ کی کمر کے گرد اسے سہارا دیے ہوئے تھا اور یہ کہ وہ بے سدھ سوئی ہوئی موئی کے حواس کو بے دار کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ نے بے اختیار رانیہ کے بالوں میں سرسرانے اور انہیں سنوارنے کی خواہش کی تو کسی انہونی کے خوف میں گھرتے ہوئے موئی نے اپنا سہارا ہٹاتے ہوئے اسے تکیے پر لٹا دیا اور خود فوراً وہاں سے اٹھا اور گہری سانس بھرتے ہوئے جیسے اندر کی کثافت کو کم کرنے کی سعی کی۔ پھر چہرہ موڑ کر رانیہ کی طرف دیکھا۔

شرعی رشتہ اور دل کی سرکشی وہ ایک جنگ کی سی کیفیت میں تھا۔ ایک پلڑے میں انا تھی تو دوسرے میں سرکشی گھرانا کا وزن زیادہ لگا۔ لائٹ آف کر کے وہ سر جھٹکتا کھڑکی تک گیا اور پردہ ہٹا کر باہر گھورنے لگا۔ نیچے لان میں لائٹس آن تھیں اور ان سے پرے نیچے بہتا دریائے جہلم بہت سیاہ اور سرد لگ رہا تھا۔ اس اندھیری رات کی طرح.....! کتنی ہی دیر وہاں کھڑا رہنے کے بعد جب سردی سے اس کی ٹانگیں جمنے لگیں تب وہ مجبوراً وہاں سے ہٹا اور آ کر اپنی جگہ پر لیٹ گیا۔ نرم و گرم کمبل نے اس کے اندر ایک سکون آور احساس پیدا کیا۔ تو وہ آنکھیں بند کرے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

صبح بھی رانیہ کا بخار نہیں اترا تھا۔

"واپس آ جاؤ تم لوگ ایسی خراب طبیعت لے کر کسی کے گھر کیا جانا آپا سے معذرت کر لینا۔" امی کو فون کر کے بتایا تو انہوں نے فوراً کہا۔ رانیہ شرمندہ سی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" موئی نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"کس بات کا؟"

"میری وجہ سے تمہارا پروگرام خراب ہوا۔" اس نے وضاحت کی۔

"ہا!" وہ طنزاً ہنسا۔

"میں تو شکر کر رہا ہوں کہ بلاوجہ دوسروں کے سامنے اداکاری کرنے سے بچ گیا۔" لمحہ بھر اسے ناسمجھی کی کیفیت میں دیکھنے کے بعد وہ اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"کیسی اداکاری؟"

موئی نے سلگ کر اسے دیکھا۔

"وہی خوش باش میاں بیوی۔ خوب صورت

زندگی وغیرہ وغیرہ۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

"ہمارے درمیان جو رشتہ استوار ہے وہ شرعی اور حقیقی ہے۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دے کر بولی جیسے اسے جتا رہی ہو۔

"مگر اس کی جو حقیقت ہے وہ صرف ہم دونوں ہی جانتے ہیں۔" وہ سلگا۔

"موئی تم صرف یہ بتادو کہ اب مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ تھک گئی تھی۔ اس کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔ دوست اجنبی بن گیا تھا۔

"تم سے.....؟" اس نے جیسے بڑی حیرت سے رانیہ کی طرف اشارہ کیا پھر استہزاء سے بولا۔

"کیا ہے تمہارے پاس؟ خالص جذبات ان چھوئے احساسات اور سچی محبت۔ کیا ہے اس میں سے تمہارے پاس؟"

اس کی بے یقین نگاہوں میں غصہ اتر آیا۔

"تو کیوں نہیں کرلی کسی ایسی لڑکی سے شادی۔ اگر میں تمہیں اس حیثیت میں قبول نہیں تھی تو کیوں مجھے اس زنداں میں گھسیٹا ہے تم نے؟" اس کی آواز میں بھیگا پن اتر آیا۔

ایک تو طبیعت پہلے ہی خراب تھی۔ اوپر سے یہ غصہ اور جذباتیت اس کا وجود کپکپانے لگا۔

"کرلوں گا۔ یقیناً کروں گا۔ کیونکہ میں سمجھوتے کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ ہرگز نہیں۔" وہ سفاکی سے بولا۔

رانیہ لڑکھڑا سی گئی۔ بے اختیار ہاتھ بڑھا کر بیڈ کا سہارا لینے کی کوشش کی مگر بیڈ دور تھا۔ وہ گرنے کو تھی شاید چکر آ گیا تھا۔

موئی نے بے اختیاری اسے سہارا دیا تو وہ اس کی بانہوں میں لہرا سی گئی۔ اتنی ٹھنڈ میں بھی اس کی پیشانی پر پسینہ چمک اٹھا تھا۔

"چھوڑ دو مجھے میں تمہارے قریب آنا بھی پسند نہیں کرتی۔" اس کی مزاحمت کمزور ترین تھی اور آواز میں نقاہت اور آنسوؤں کی نمکینی۔

موئی اس کا شوہر ہی نہیں ڈاکٹر بھی تھا۔ رانیہ کی حالت فی الحال اسے کان بند کیے رہنے پر مجبور کرنے لگی اسے سنبھال کر بیڈ پر لٹا دیا۔

"تھوڑا ریسٹ کرو میں ابھی اسپتال سے ہو کر آتا ہوں۔ آج چیک آؤٹ کرنا ہے۔ واپس لاہور چلتے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتا اپنی جیکٹ پہن کر کمرے سے نکل گیا۔ رانیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"تو اب تم مجھے محبت کرنے کی سزا دو گے موئی رضا۔"

امی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ خود انہیں بھی ہلکی سی حرارت ہو رہی تھی۔ مگر وہ رانیہ کے متعلق تشویش میں مبتلا تھیں۔

"اب تو ٹھیک ہوں میں۔" وہ زیبا سے مل کر صوفے پر امی کے ساتھ آ بیٹھی۔

"خاک ٹھیک ہو؟ رنگت پیلی پڑ رہی ہے تمہاری۔ ایک رات کے بخار نے نڈھال کردیا ہے۔ ہم سے مل لیں لیا اب جا کے آرام کرو۔" امی نے محبت سے کہا۔

زیبا نے تمسخرانہ انداز میں سر جھٹک کر رخ ٹی وی کی طرف کرلیا۔

"السلام علیکم!" عیسیٰ ہشاش بشاش سا اندر داخل ہوا تھا۔ موئی کی نظر بے اختیار رانیہ کی طرف اٹھی وہ صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے سست سی بیٹھی تھی۔

عیسیٰ کو دیکھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" عیسیٰ اس سے مخاطب تھا۔ موسیٰ کا رواں رواں آنکھ بن گیا سماعت بن گیا۔ وہ عیسیٰ سے بات کر رہی تھی۔ عام سی بات یونہی خیر خیریت مگر موسیٰ سے برداشت نہیں ہوا۔

"تم جاؤ جا کے آرام کرو۔" اس نے بمشکل اپنے لب و لہجے کو قابو میں رکھتے ہوئے رانیہ سے کہا تو امی نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تو وہ خاموشی سے موسیٰ پر اچٹتی نگاہ ڈالتی اٹھ کر چلی گئی۔

"بڑی جلدی ختم ہو گیا تم لوگوں کا ہنی مون......؟" زیبا نے موسیٰ کو بڑی دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ مخاطب کیا تو امی تاسف سے سر ہلاتی اٹھ کر چلی گئیں۔ موسیٰ پرسکون ہو کر صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"یہ تو ٹریلر تھا ہنی مون کے لیے تو ورلڈ ٹور پر جائیں گے۔" زیبا کا دل جل کر کباب ہوا۔ بے ساختہ عیسیٰ کو گھورا۔

"سن رہے ہیں؟ اور آپ دو ہفتوں کے بعد آفس جوائن کر بیٹھے ہیں۔"

"کیا یار تم بھی۔" عیسیٰ نے بھائی کو ذرا سا گھورا اور پھر زیبا کو سمجھانے لگا۔

"اس کا کون سا ویزا لگ گیا ہے ورلڈ ٹور کا؟ منہ سے کہہ ہی رہا ہے نا! تم بھی بس کانوں سے سن لو۔" عیسیٰ کی بات سن کر اس نے منہ بنایا۔

"اس کے دل میں خواہش تو ہے نا! تم نے تو کبھی خواہش بھی ظاہر نہیں کی۔"

"ایک تو تم عورتیں ہوتی بڑی ناشکری ہو کیوں موسیٰ!" اس نے تاسف سے زیبا کو گھورتے ہوئے بھائی سے پوچھا تو وہ شانے جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"پتا نہیں میرا ابھی تک کسی ناشکری عورت سے پالا نہیں پڑا۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"یہ عورت کسے کہا تم نے؟" اپنے پیچھے سے زیبا کی چلاتی ہوئی آواز آئی تھی۔

"کیا مطلب! تم عورت نہیں ہو کیا؟"

"لڑکی بھی تو کہہ سکتے ہو تم۔"

"گویا ناشکری پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں۔" عیسیٰ نے گہری سانس بھری۔

موسیٰ ہنستا ہوا اپنے کمرے میں گھس گیا۔

اگلے روز سے گھر کی تمام ذمہ داری پھر سے رانیہ کے کندھوں پر آ گئی۔ امی کا جوڑوں کا درد تیز ہوا تو وہ بستر پر زیادہ وقت صرف کرنے لگیں۔

"ناشتا!" موسیٰ کو اسپتال سے دیر ہو رہی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھا اور کچن کی طرف منہ کر کے ہانک لگائی۔ مگر پانچ منٹ گزر گئے اور ناشتے کی کوئی صورت حال نظر نہ آئی تو وہ کچن کی طرف بڑھا۔

وہاں رانیہ ہمیشہ کی طرح ناشتا بنانے میں جتی تھی موسیٰ نے دیکھا ناشتے کی ٹرے تیار تھی اور رانیہ تیزی سے پیالے میں انڈے پھینٹ رہی تھی۔

موسیٰ نے آگے بڑھ کے ٹرے اٹھائی۔

"ٹھہرو نہیں' یہ تمہارے بھائی صاحب کا ناشتا ہے تمہارے لیے تو ابھی بنا رہی ہوں۔" وہ جلدی سے کہہ کر انڈوں کا آمیزہ فرائنگ پین میں انڈیلنے لگی۔ موسیٰ نے ٹرے کاؤنٹر پر پٹخی مگر اندر کی آگ پھر بھی کم نہیں ہوئی۔

"میرے لیے بنانے کی کیا ضرورت ہے تم جن کی خدمت میں جتی ہو اسی میں مصروف رہو۔" سلگتا لہجہ۔

"انہیں جلدی آفس جانا تھا موسیٰ۔" وہ اس کے غصے سے گھبرا گئی تھی۔

"ان کی اپنی ایک عدد بیوی بھی ہے محترمہ!" اس نے دانت پیسے۔

"وہ سو رہی ہے۔ انہوں نے کچن میں آ کر مجھ سے خود کہا ناشتے کے لیے۔ تو کیا میں منع کر دیتی؟" وہ برافروختہ ہوئی۔

"ہاں کر دیتیں۔" وہ یونہی غصے میں جل بھن کر اس کے اوپر چڑھ دوڑا۔

"پہلے بھی تو میں ہی بناتی تھی۔" وہ اسے اتنے غصے میں دیکھ کر منمنائی۔

"تب تم میری بیوی نہیں تھیں۔" موسیٰ کی زبان پھسلی۔

"تو اب کیا مجھے ان کے لیے ناشتا نہیں بنانا چاہیے۔ تم سے شادی کے بعد کیا مجھے ان سے اپنا رشتہ ختم کر لینا چاہیے؟" وہ متحیر تھی یا دکھی۔ موسیٰ کو سمجھ نہیں آئی۔ ہاں مگر اس کے الفاظ ضرور تپانے والے تھے۔

"تم صرف گھر کے کام کرو ان کے کاموں کے لیے ان کی بیگم آ چکی ہے۔ جو ماہر امور خانہ داری ہے۔" موسیٰ نے سلگ کر کہا تو رانیہ کو بھی غصہ آنے لگا۔

"تو خود کیوں نہیں ان سے کہہ دیتے کہ......؟" ابھی اس کی بات آدھی ہی تھی کہ موسیٰ نے اسے دونوں شانوں سے تھام کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔

"جو میں کہہ رہا ہوں وہ سنو۔" وہ ساکت سی لمحہ بھر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر رسان سے بولی۔

"اتنے دنوں سے صرف تمہاری ہی تو سن رہی ہوں۔" موسیٰ نے بہت پاس سے اس کے احمریں لبوں کی حرکت دیکھی اور نچلے لب کے پاس وہ سیاہ تل...... کیا وہ پہلے بھی اتنا ہی خوب صورت لگتا تھا؟ موسیٰ کا ذہن بھٹکا۔ پھر وہ چونکا۔ شاید رانیہ کچھ کہہ رہی تھی۔

"آملیٹ جل رہا ہے موسیٰ!" وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا۔

"موسیٰ! پلیز' ناشتا تو کر جاؤ۔" اس نے اپنے پیچھے رانیہ کی منت بھری آواز سنی مگر اس کے قدم نہیں رکے تھے۔

"کیا جادوگری ہے یہ...... کیسے اپنی طرف کھینچتی ہے کہ میں جو شعوری طور پر اس سے نفرت کرنا چاہتا ہوں۔ لاشعوری طور پر اس کی محبت میں گرفتار ہوا جا رہا ہوں۔ نہیں یا شاید یہ محض ایک پرکشش وجود کو قریب پا کر بہکنے کا احساس ہے اور بس!"

وہ تمام راستہ اسپتال پہنچنے تک انہی سوچوں کی زد میں رہا۔ موسیٰ کی یہ خرابی رات واپسی تک برقرار رہی تھی۔ رانیہ کھانا لگاتے ہوئے اسے مسلسل نوٹ کر رہی تھی۔ عیسیٰ اور زیبا کو کھانا لگانے کے بعد بلانے کے لیے بھی رانیہ ہی کو جانا پڑا۔

"پتا نہیں ان دونوں کے طور طریقے کب بدلیں گے؟ ایک ہی دن کی بیاہی دلہنیں ہیں۔ مگر زیبا کے تو نئی نویلی دلہن والے چونچلے ہی ختم نہیں ہو رہے۔" امی کو روز کا یہ تماشا اور رانیہ کی ڈیوٹی پسند نہیں آ رہی تھی۔ رانیہ کے پیچھے ہی وہ دونوں بھی چلے آئے۔ گویا کھانا لگنے ہی کا انتظار تھا۔

"کیا کیا پکا ہے آج؟" عیسیٰ نے شوق سے ڈونگوں کے ڈھکن اٹھا کر دونوں سالن چیک کیے خوش بوئیں اڑاتے گرما گرم پلاؤ کی ڈش سامنے ہی رکھی تھی۔

"واہ۔" اس کا انداز توصیفی تھا۔ موسیٰ نے رانیہ کو مسکراتے دیکھا تو کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

"بھئی زیبا تم بھی موقع دو ہمیں واہ واہ کرنے کا عیسیٰ تو بہت تعریف کرتا تھا تمہارے ہاتھ کے پکے

کھانے کی۔" امی نے طریقے سے اسے اس پر لانا چاہا۔

گلاس میں پانی انڈیلتی وہ جھکی۔

"اچھا......!"

"ہاں بھئی زیبا کے ہاتھ میں بھی بہت ذائقہ ہے۔" عیسیٰ نے خوش دلی سے بیوی کی تعریف کی۔

"آپ نے کب میرے ہاتھ کا بنا کھانا کھالیا؟" زیبا نے تیکھے انداز میں عیسیٰ کو دیکھا۔

"شادی سے پہلے کی بات کررہا ہوں۔ جب بھی گیا تقریباً کھانا کھا کر ہی لوٹتا تھا۔"

"وہ......!" زیبا لمبا سانس کھینچ کر مسکرائی۔

"وہ سب تو بازار سے آتا تھا۔" وہ اب اطمینان سے اپنی پلیٹ میں پلاؤ نکال رہی تھی۔ عیسیٰ نے ان تینوں کو ایک نظر دیکھنے کے بعد زیبا سے کہا۔

"تائی جان نے تو بھی کہا تھا کہ تمہیں کوکنگ کا بہت شوق ہے۔"

"ماؤں کا کیا ہے وہ تو دنیا بھر کی اچھی باتیں اپنی بیٹیوں میں بھر دیتی ہیں۔ مجھے تو الف بے نہیں آتی کھانا پکانے کی کہاں وہ اتنی مشکل مشکل ڈشز تیار کرنا۔"

"تو جی!" زیبا جی تو ہاتھ جھاڑ کے ایک طرف ہوگئیں۔ اب عیسیٰ کی خجالت قابل دید تھی۔

"چلیں کوئی بات نہیں، آہستہ آہستہ سب آجائے گا۔" رانیہ نے خوش دلی سے کہا۔

"خیر مجھے دیگیں چڑھانے کا کوئی شوق نہیں ہوٹل بھی تو ہم جیسوں ہی کے لیے بنے ہیں۔" اس نے تیوری چڑھاتے ہوئے گویا بات ہی ختم کردی۔ رانیہ گہری سانس بھرتی اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔ جب کہ امی اور موسیٰ کی عیسیٰ کی طرف اٹھی نگاہوں میں تاسف تھا اور ہمدردی وہ بھی چور سا بن کر کھانے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ کھانے کے بعد زیبا حسب عادت اپنے کمرے میں ٹی وی کے آگے براجمان ہوگئی۔ جب کہ رانیہ نے برتن سمیٹنے کے بعد چائے کا پانی چولہے پر چڑھا دیا۔ سب کو گرین ٹی کے مگ تھما کر وہ موسیٰ کو ڈھونڈتی اوپر بالکونی پر چلی آئی۔ وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھا جانے کیا سوچتا ہوا ملا۔

"چائے......!" اس نے مگ موسیٰ کے سامنے لہرایا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی۔" وہی روکھا پھیکا لہجہ۔ دوستی کے دعوے کرنے والا مکرنے میں بھی جلدی کر گیا تھا۔ رانیہ نے یونہی مگ بڑھائے رکھا تو اسے تھامنا ہی پڑا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔" وہ اپنا مگ تھامے اس سے اجازت مانگ رہی تھی۔ اس کے پاس بیٹھنے کی۔

"تمہارا اپنا گھر ہے اس کے لیے تمہیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔" موسیٰ نے ہاتھ سے ادھر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سنجیدگی اور رکھائی سے کہا۔ وہ اس سے تھوڑے سے فاصلے پر بیٹھتے ہوئے پھیکے لہجے میں بولی۔

"وقت اور حالات اس قدر بدل چکے ہیں کہ پہلے اور اب کے اختیارات پر اعتبار نہیں رہا۔"

ایک نظر اسے دیکھ کر وہ سر جھٹکتے ہوئے گرین ٹی کے گھونٹ لینے لگا۔ خوش رنگ و خوش ذائقہ چائے نے اس کے اعصاب کو اس سردی میں بہت لطف دیا۔

اس کے موڈ پر اچھا اثر پڑا تھا۔

"ہم ایسے کب تک زندگی گزار پائیں گے موسیٰ!" اس کی کچھ بھیگی کچھ نمکین سی آواز موسیٰ کو ٹھٹکا گئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے مگ کو مضبوطی سے

تھام لیا۔ وہ اس جادوگرنی کے چہرے کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"یہ تو تمہارے سوچنے کی بات ہے۔" اس نے اپنا لہجہ روکھا ہی رکھا۔

"تم مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہو موسیٰ! محبت کرنے کی نا!" رانیہ کے آنسو بہہ نکلے۔

یوں فقیروں کی طرح اعتراف کرنا اسے ذلت کا شکار کررہا تھا۔ مگر بات کیے بنا چارہ بھی نہیں تھا۔

"تم سب جانتی ہو۔" اس نے دانتوں پر دانت جمائے۔

"تو پھر دو زندگیاں مت تباہ کرو مجھے برباد ہونے دو تم جسے پسند کرتے ہو اس سے شادی کرلو۔" وہ بے آواز آنسو بہاتی بڑی بہادری کا مظاہرہ کررہی تھی۔ موسیٰ نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کی طرف چہرہ موڑے ہوئے تھی۔ موسیٰ کو اپنی طرف متوجہ پا کر نظر چرائے اپنا مگ اوپر والی سیڑھی پر رکھنے لگی۔

"میں...... میں کسے پسند کرتا ہوں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"وہی جس کے دل میں رہتے تم نکاح والی کو بسا نہیں سکتے۔" وہ موسیٰ کے الفاظ دہرا رہی تھی۔

اسے جھٹکا سا لگا گویا سارا الزام موسیٰ کے سر دھر رہی تھی۔

"ہم بھی بہت اچھے دوست تھے موسیٰ! اسی دوستی کے پیش نظر میں تمہارا ساتھ دینا چاہتی ہوں تم اپنی مرضی کا فیصلہ کرو میں خالہ جان کے سامنے تمہیں سپورٹ کروں گی۔" رانیہ نے اسے یقین دلاتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھا۔ تو اس کی سرد انگلیوں کی ٹھنڈک موسیٰ کو اندر تک اترتی محسوس ہوئی۔ اپنا مگ رکھتے ہوئے موسیٰ نے اس کا جائزہ لیا تو وہ لیلن کے سوٹ پر محض ایک سویٹر پہنے ہوئے تھی۔ اتنی ٹھنڈ میں بنا گرم شال کے محض شانے پر دوپٹا لٹکائے جو آدھا اس کے شانے پر اور آدھا سیڑھی پر دھرا تھا وہ ان سرد سیڑھیوں پر آ بیٹھی تھی۔ موسیٰ نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ سرد پوروں والا بے حد ٹھنڈا ہاتھ......!

"اتنی سردی میں اوپر کیوں آئی ہو؟ گرم شال ہی لے لیتیں۔" پتا نہیں کیوں اس لمس سے وہ بے بس ہونے لگتا تھا۔

"تم بھی تو اتنی سردی میں بیٹھے ہو۔" وہ جانے کیا جتانا چاہتی تھی۔ موسیٰ نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں کھینچ لیا۔ جیسے اسے گرما رہا ہو۔

"ابھی بخار سے اٹھی ہو۔ نیچے چلو پھر بیمار پڑو گی؟" وہ بے حد نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"ہنہ! اچھا ہے نا! آسانی سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔" وہ پتا نہیں ہنسی تھی یا روئی تھی۔ مگر موسیٰ کے دل کو کچھ ہوا۔

اسے لگا کہ یہ لہجہ اس کے دل میں گڑا ہوا ہے۔ جبھی تو اس کی نرمی گرمی اس شدت سے دل پر اثر انداز ہوتی تھی۔ رانیہ نے اپنا دوسرا سرد ہاتھ بھی موسیٰ کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔

"تم چاہو کوئی بھی فیصلہ کرو موسیٰ! مگر مجھے اپنا دوست ہی رہنے دینا۔" اس کا ملتجیانہ لہجہ...... کچھ عجیب سی بات تھی۔ اس کی باتوں میں اس کے لہجے میں۔

کچھ تنہائی اور کچھ اس کا قرب......! موسیٰ رضا کو لگا ہر چیز پر وہی چھائی ہوئی ہے۔ بہت بے اختیار انداز میں اس کے گرد اپنی مضبوط بانہوں کا حصار باندھتے ہوئے اسے لگا۔ فقط یہی حقیقت ہو مگر یہ چند پل ہی کی بات تھی۔ یکلخت ہی اسے لگا جیسے وہ

دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف ہو۔ ایک ایسی لڑکی جو اس کے بھائی سے......!

وہ ایک دم سے اٹھا اور رکے بغیر نیچے جانے والی سیڑھیاں اتر گیا۔

رانیہ بے یقینی سے اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

موسیٰ جا کے ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔ امی سونے چلی گئیں۔ تو وہ چینلز بدلنے لگا۔ مگر دھیان سارا سیڑھیوں کی طرف تھا۔ رانیہ ابھی تک نیچے نہ آئی تھی۔ اس نے اپنا پسندیدہ ٹاک شو لگایا اور ذہن کو ادھر لگانے لگا۔ اسے یاد آیا کہ وہ سرد موسم میں بنا گرم کپڑوں کے سرد سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ اس نے تین مرتبہ "مجھے کیا" کہہ کر خود کو بے حس بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ مگر پھر بھی دھیان کے سرے پلٹ پلٹ کے اسی سے جڑتے تو وہ ٹی وی آف کر کے اٹھا۔

"بے وقوف لڑکی......!" دانت پیستا وہ تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ٹیرس پر آیا تو وہ منجمد مجسمے کی طرح وہیں سیڑھیوں پر بیٹھی تھی ویسی ہی جیسی وہ چھوڑ کر گیا تھا۔

"رانیہ......!" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا اسے شانوں سے تھام کر اٹھایا۔ وہ سرد تھی بے حد سرد......!

"رانیہ پاگل ہو تم، مرنا چاہتی ہو؟" موسیٰ نے اسے جھنجوڑا تو اب تک جو برف کے منجمد مجسمے کی مانند بیٹھی تھی اس کے قرب کی آنچ پاتے ہی پگھل گئی۔

"ہاں مر جانے دو مجھے کیوں بچانے آ جاتے ہو بار بار کیا لگتی ہوں میں تمہاری۔ کیا رشتہ ہے میرے تمہارے درمیان؟" ایک جھٹکے سے اپنا آپ چھڑاتے ہوئے وہ پھٹ پڑی موسیٰ ششدر تھا۔

"رانیہ......!"

"موسیٰ پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" وہ کپکپا رہی تھی سردی سے اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

"ابھی تم حواس میں نہیں ہو نیچے چلو پھر بات کرتے ہیں۔" موسیٰ نے بدقت تمام اپنے لہجے کو معتدل کیا ورنہ جی تو چاہ رہا تھا ایک تھپڑ لگا کر اس کا دماغ ٹھکانے لگا دے۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی جو غلطی میں نے کی ہے اس کی سزا بھگت رہی ہوں یہاں بیٹھ کر۔" وہ شعلہ بار لہجے میں کہتی کوئی اور ہی رانیہ تھی۔ اس ڈرپوک اور سیدھی سادی رانیہ سے مختلف جسے عیسیٰ کے مقابل لانے کی پیش رو اسے دیا کرتا تھا۔

"تم محض مجھے اذیت دے رہی ہو رانیہ! اور بس!" اس کی آواز میں بھی غصہ اتر آیا۔ شاید اپنی بے بسی کے اعتراف پر کہ وہ رانیہ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تمہیں کیا فرق پڑتا ہے موسیٰ رضا! اول شب سے تم مجھے میری اوقات یاد دلا رہے ہو۔ مجھے میری محبت کے طعنے دے رہے ہو مگر شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ مجھے اس راہ پر لانے والے تمہی تھے ورنہ میں تو محبت کے جھمیلوں سے بھی ناواقف تھی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

"اور تم......! تم کیا مجھے میری اوقات یاد نہیں دلا رہیں۔ اول روز سے تم اسی کی پسند کے رنگ پہنتی آ رہی ہو کیا ایک پل بھی تم نے مجھے بھولنے دیا ہے کہ تم میری نہیں ہو؟" اس نے دانتوں پر دانت جمائے تھے۔

رانیہ نے رونا بھول کر تحیر سے اسے دیکھا۔

"اس کی......! کس کی پسند کے رنگ پہنتی ہوں میں؟"

"وہی جس کی محبت میں تم نے خود کو سراپا بدل لیا

تھا۔" وہ سلگ کر بولا۔

"کیونکہ میں نے تم سے سچی محبت کی ہے موسیٰ رضا اور تم جانتے ہو یہ تیز رنگ مجھے زہر لگتے ہیں۔ تم نے تو مجھے زیبا جیسا بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مگر صرف تمہارے لیے۔ کیونکہ تمہیں یہ رنگ پسند ہیں۔" وہ جذباتیت سے کہتی پھر سے رو دی تھی۔

موسیٰ ششدر...... لگا کچھ غلط سنا ہو شاید۔

"مجھے...... میری پسند کے رنگ میں نے کب کہا تم سے؟" اسے لگا کچھ غلط ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے۔ تیزی سے پوچھا۔

"شادی سے پہلے کیا تم مجھے اپنی پسند و ناپسند نہیں بتایا کرتے تھے۔ یہ پہنو یہ کھاؤ، یہاں جاؤ وہاں نہ جاؤ۔ ایسے بات کرو اور میں بے وقوف خود کو تمہاری پسند میں ڈھالتی چلی گئی۔ یہ جانے بغیر کہ لڑکے کتنے دھوکے باز ہوتے ہیں۔"

میری پسند......! کھٹاک سے موسیٰ کے دماغ کی کھڑکی کھلی۔

اف خدایا! میں اسے بھائی کے لیے بتا رہا اور یہ میرے لیے......؟

"لڑکے صرف دھوکے باز ہی نہیں، بیوقوف اور گدھے بھی ہوتے ہیں۔" وہ ایک دم سے بولا تو رانیہ کی آواز اور آنسوؤں کو بریک لگ گئی۔

"تم نے کس سے محبت کی تھی؟" وہ دو قدم آگے بڑھا۔

"بیوقوفی کی تھی، معاف کر دو مجھے کیا پتا تھا کہ طرف کر رہے ہو مجھ سے میں تو خوش تھی کہ میرا سب سے اچھا دوست ہی میرا شریک سفر ہوگا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

ادھر موسیٰ اب بھی ششدر تھا۔

حیرت، بے یقینی، خوشی کتنے ہی جذبات بہ یک وقت اس پر طاری تھے۔

"تم...... تم نے مجھ سے محبت کی تھی؟" اسے بازوؤں سے تھام کر جھنجوڑا وہ روہانسی ہو گئی۔

"ہاں تم جیسے سنگ دل سے غلطی ہو گئی معاف کر دو۔"

"اف خدایا!" وہ دفعتاً چہرہ اوپر کر کے ہنس دیا۔

"اور میں بے وقوف سمجھتا رہا کہ میں بڑی کامیابی کے ساتھ تمہیں عیسیٰ رضا کے لیے تیار کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب......؟" رانیہ بے ساختہ چیخ اٹھی۔

"تم مجھے عیسیٰ کے لیے......؟"

"اوئے دل خوش کر دتا اے کڑیے!" موسیٰ نے اسے بازوؤں میں بھر کے گھما ڈالا۔

"موسیٰ! اوہ" وہ بے یقین تھی۔

"آئی لو یو رئیلی آئی لو یو۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا کہ میں اپنی بیوقوفی سے تمہیں عیسیٰ رضا سے محبت کروا چکا ہوں۔ شکر ہے خدا کا۔" وہ خوش تھا بے حد خوش۔

اور رانیہ......! اس کا وجود تو جیسے ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

"اور جو تم نے اتنے دنوں مجھے ستایا رلایا؟"

"ہر حساب بڑی محبت سے چکاؤں گا جان عزیز!" وہ دھیمی آواز میں بولا تو سرد ہوا میں رانیہ کی کھلکھلاتی ترنگی ہنسی گونج اٹھی۔ موسیٰ اسے باہوں کے گھیرے میں لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ خوشیاں ان کی منتظر تھیں اور خوش قسمتی ان کے پیچھے۔